مجالسِ ترابی

علامہ رشید ترابی

مجالسِ ترابی

علامہ رشید ترابی

ترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	رضائے رب	۵
۲	دُعا	۱۵
۳	سجدہ	۲۹
۴	یقین	۴۵
۵	رزق	۶۱
۶	تسلیم	۷۳

دعا کے [illegible] صفحہ ۱۷
دعا کے بارے میں تقریر ۔

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۸۳	محبّتِ الٰہی	۷
۹۲	عقل	۸
۱۰۱	صبر	۹
۱۰۹	ہدایتِ الٰہی	۱۰
۱۲۲	تقویٰ	۱۱
۱۲۷	اتباعِ حق	۱۲
۱۳۶	کلمہ طیّبہ	۱۳
۱۵۲	ذکرِ حسینؑ	۱۴

رِضائے رَبّ

اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۔ (سورہ توبہ آیت ۳۸)

کیا تم راضی ہو گئے حیاتِ دنیا پر آخرت کے بدلے، کیا تم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ تمھاری یہ ساری بساط، یہ ساری کائنات، یہ دنیا کی ساری زندگی، یہ سارا مال و متاع آخرت میں بہت قلیل ہے۔ اس کی کوئی وقعت نہیں ہے اس دنیا پر تم راضی ہو گئے۔ اس دنیا کو تم نے اپنانے کی کوشش کی جس کی کوئی قدر آخرت میں نہیں ہے تو یہ وہ منزلِ فکر ہے جہاں سے ایک مستقل عنوان پر گفتگو مقصود ہے۔ وہ یہ کہ انسان راضی ہوتا ہے حیاتِ دنیا پر، اور چاہتا ہے کہ یہ حیاتِ دنیا اس کو میسّر آجائے، حالانکہ آخرت کے اعتبار سے یہ متاعِ دنیا بہت ہی قلیل ہے۔ صلوات:

آپ نے دیکھا کہ بندوں کی خوشی یہ ہے۔ بندوں کی رضا یہ ہے، بندوں کی خواہش یہ ہے کہ دنیا ملے اور ادھر ذاتِ واجب کی خواہش یہ ہے کہ:

"لَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ" (سورۂ زمر آیت ۷)

خدا راضی نہیں اس بات پر کہ بندے کافر ہو جائیں۔ یہ سورۂ یونس کی آیت ہے جس کو اب آپ سنیں گے۔ یہ تو آپ نے سن لیا لَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْر

خدا راضی نہیں ہے اپنے بندوں کے کفر سے۔ یہ سورۂ زمر کی ساتویں آیت ہے۔ اب سورۂ یونس کی آیت میں ارشاد ہوا کہ تم نے حیاتِ دنیا کو اپنانے کی کوشش کی، اور تم یہ سمجھے کہ تم راضی ہو گئے حیاتِ دنیا پر۔ مگر کب؟ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا

(سورۂ یونس آیت ۷)

"وہ لوگ جو ہماری ملاقات نہیں چاہتے" جو یہ سمجھے ہیں کہ قیامت نہیں ہے۔ دوری نہیں ہے۔ ان کو ہماری بارگاہ میں نہیں آنا ہے۔ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ وہ لوگ ہیں جو حیاتِ دنیا سے راضی ہو گئے وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا، اور اطمینان سے بیٹھ گئے کہ آخرت نہیں ہے تو خدا کی رضا میں اور بندے کی رضا میں جو فرق بتلایا وہ یہ بتلایا کہ خدا راضی نہیں ہے کہ بندے کافر ہوں، خدا راضی نہیں ہے کہ بندے فاسق ہوں۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔

(سورۂ توبہ آیت ۹۶)

خدا راضی نہیں ہے فاسقین سے کہ بندے اس کے فسق و فجور کریں۔ خدا راضی نہیں ہے اپنے بندوں سے کہ وہ کفر کریں۔ بندے راضی ہو رہے ہیں دنیا پر۔ تو اِن دو کیفیتوں میں مرضیٔ رب میں اور مرضیٔ عبد میں ایک تضاد ہے، ایک مخالفت پائی جاتی ہے اور اختلاف پایا جاتا ہے اور یہی وہ منزل ہے جہاں آج کی تقریر میں رضائے رب کے عنوان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی مرضی کیا ہے اور اس کو کس طرح سے حاصل کرنا چاہیے آپ کی مرضی تو یہ ہے کہ دنیا ملے مگر اللہ کی مرضی یہ ہے کہ کفر نہ ہو، فجور نہ ہو، بندے راہ سے نہ ہٹیں۔

یہ آیتیں بہت ہی غور کے قابل ہیں۔ ذرا ذرا سی آیتوں کو چن لیا۔ اس لیے کہ نوجوانوں کو یاد رہے۔ جہاں جہاں آواز پہونچ رہی ہے۔ یہ آیتیں یاد رہیں۔ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ۔ خدا راضی نہیں ہے کہ اس کے بندے کافر ہوں۔

اب ایک بات یاد رکھیے۔ رضائے پروردگار اس کو حاصل کرنا یہ بندگی کا کمال ہے، یہ بندگی کا عروج ہے، یہ بندگی کی روح ہے، یہ بندگی کی جان ہے یہ انسانیت کے فیضِ کمال پر وہ جوہر ہے کہ جہاں انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے مرضیٔ رب کو حاصل کر لیا ہے اور جیسے جیسے انسان کامل ہوتا جائے گا مرضیٔ رب کو حاصل کرنے کے لیے بےچین ہوتا جائے گا، وہاں مرضیٔ رب اس طرح سے آگے بڑھ کر استقبال کرتی ہے کہ تو میری رضا کو ڈھونڈنے چلا تھا، اب میں تیری مرضی کو ڈھونڈتا ہوں۔ حدِ انسانیت کے کمال پر ہم کو جو انسان نظر آیا کہ جہاں یہ ارشاد ہوا "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (سورۂ والضحیٰ آیت ۵) (کہ) اور عنقریب تیرا رب تجھ کو (اے محمدؐ) اتنا عطا کرے کہ تو راضی ہو جائے گا۔

یعنی مرضیٔ معبود ڈھونڈتی ہے اس بندے کو کہ جس بندے کو خدا راضی کر دے۔ یہ بندگی کا کمال ہے۔ اور یہ کمال تب میسر ہوتا ہے جب بندہ رضائے رب کا متلاشی ہو کر اپنی خواہشات کو، اپنی تمناؤں کو، اپنی آرزوں کو جذبۂ مرضیٔ مولا کر دے فنا کر دے مرضیٔ مولا میں، تو پھر وہاں ارشاد ہوتا ہے کہ "اچھا اب ہم راضی ہوئے۔ اور اس طرح سے راضی ہوئے کہ اب ہم کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ تم کس چیز سے راضی ہو؟ کیونکہ اطمینان ہے ذاتِ واجب کو، کہ یہ بندہ وہ نہیں چاہے گا جو ہم نہیں چاہیں گے یہ بندہ وہی چاہے گا جو ہم چاہیں گے۔ یہ بندہ وہی چاہے گا جو ہم چاہیں گے۔ اسی لیے، کہا۔" وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (سورہ دہر آیت ۳۰)

"تم نہیں چاہتے ہو مگر وہی چاہتے ہو جو خدا چاہتا ہے۔"

رضائے رب کے عنوان پر گفتگو ہے۔ مالک کی مرضی بندے کے لیے سب سے اہم ہے کہیں رہو، کسی مقام پر رہو، کسی حال میں رہو، مرضیٔ مولا پر نظر رہے مگر مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ یہ کہ مرضیٔ مولا یہ نہیں ہے کہ جسے دنیا سمجھتی ہے دنیا

سمجھتی ہے کہ کسی قاتل نے کسی کو قتل کردیا، اور قتل کرکے اگر سمجھے، مرضیٔ مولا یہی تھی اور اپنے بچاؤ کی کوشش کی۔ کسی نے چوری کی اور کہا کہ مرضیٔ مولا یہی تھی، اگر مرضی نہ ہوتی تو چوری کیوں کرتا۔ کسی ظالم نے ظلم کیا اور ظلم کرنے کے بعد اس نے کہا کہ مرضیٔ مولا یہی تھی! اگر وہ نہیں چاہتا تو میں ظلم کیوں کرتا۔

تو میں صرف اتنا سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے کہ اُس نے تمھیں پیدا کیا، یہ صحیح ہے کہ اُس نے تم کو ہاتھ دیے، یہ صحیح ہے کہ اُس نے لوہے کو تیز کرنے والی عقل بھی دی۔ یہ صحیح ہے کہ تم کو یہ اختیار دیا کہ تم لوہے سے خنجر بناؤ، یہ صحیح ہے کہ تم کو خنجر پکڑنے کی طاقت بھی دی۔ اتنا سب عطا کرکے بے اختیار (فوراً، بلا تاخیر) اپنی حجتوں کو بھی بھیجا، انبیاء کو بھیجا، رسولوں کو بھیجا کہ اس سے کہو کہ انسان کے نفس کا احترام کرو۔ یہ کسی کو قتل نہ کرے، ہم راضی نہیں ہیں۔ تو اس حد کو پہنچا تو کہ عطا کرکے روکنا کہاں ہے، عطا کرکے کہاں نہیں روکتا۔ قوت دی، طاقت دی، وہ اس لیے نہیں کہ کوئی جرم کرے، اور کوئی اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہ کرے۔ اُس کی مرضی نہیں ہے کہ کسی بندے پر ظلم ہو، یہ اپنے اختیار کو غلط استعمال کر رہا ہے۔ یہ اپنی آزادی کا غلط استعمال کر رہا ہے۔ یہ تھوڑی سی فرصتِ دنیا، یہ تھوڑی سی مہلتِ زندگی ملی ہے اس کا استعمال غلط ہو رہا ہے، ورنہ اس نے قوت اس لیے نہیں دی تھی کہ کوئی جابر کسی کمزور پر جبر کرے، اور ظلم کرے۔ اب ایسی حالت میں ظالم یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قتل کیا، یہ اللہ کی مرضی تھی، جو ہونا تھا وہ ہوا۔ چور یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے چوری کی، یہ اللہ کی مرضی تھی، نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ جس کا مال چوری ہوگیا، وہ یہ کہہ کر صبر کرے، کہ یہ اللہ کی مرضی تھی۔ صلوات۔

جس پر ظلم ہوا وہ، یہ کہہ کر صبر کرے کہ ہاں یہ مرضی تھی اور جس کو قتل کیا گیا وہ قتل ہونے سے پہلے کہہ سکتا ہے کہ مالک تیری مرضی کے آگے سر جھکا رہا ہوں۔ قاتل کو حق نہیں ہے کہنے کا یہ مرضی تیری تھی، مقتول کو یہ حق ہے کہنے کا کہ یہ تیری مرضی تھی۔

اب آپ سمجھ گئے۔ یہ ہے وہ منزل لَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ خدا راضی نہیں ہے کہ اس کے بندے کافر ہوں، خدا راضی نہیں ہے۔ عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ، ان فاسق بندوں سے جو فسق و فجور کریں۔ قوم فاسقین سے خدا راضی نہیں ہے۔ خدا راضی نہیں ہے کہ وہ فسق و فجور کریں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے معنی یہ لیے جائیں کہ فسق و فجور کرنے والا یا کفر کرنے والا اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے کہ جو ہونا تھا، وہ تو وہیں لکھ دیا گیا۔ اگر تیرا حکم نہ ہوتا تو کیوں قتل کرتا اگر اس خیال سے اور اس عقیدے سے تسلی دے تو یہ عقیدہ اس لیے غلط ہے کہ یہاں قاتل کو حق نہیں پہنچتا۔ انبیاءؑ کے، رسولوں کے، حجتوں کے، اوصیاءؑ کے، اولیاءؑ کے آجانے کے بعد اور عقل جیسی حجت کے مل جانے کے بعد یہ حق نہیں پہنچتا کسی کو کہ وہ اپنے ظلم کا جواز ڈھونڈے اور اپنے جبر کا جواز ڈھونڈے اور اپنے تعدی کا جواز ڈھونڈے۔ ہاں جیسا کہ میں نے کہا یہ مظلوم کے لیے جائز ہے۔ یہ مظلوم کے لیے جائز ہے کہ وہ بے اختیار کہے کہ یہی مرضیٔ مولا ہے۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ میرے سُننے والے سمجھ گئے کہ کوئی واقعۂ کربلا کو اس طرح سے سمجھنے کی کوشش کرے کہ یہ اللہ کی مرضی تھی، ہاں اس مرضی کے دو رُخ ہوں گے۔ قاتل یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قتل اس لیے کیا کہ حسینؑ کے مقدر میں قتل تھا، مگر حسینؑ یہ کہہ سکتے ہیں اپنے نانا کے روضہ پر کہ اِنِّیْ اَسِیْرُ بِسِیْرَۃِ جَدِّیْ وَاَبِیْ میں اب اپنے نانا اور اپنے بابا کی سیرت پر چل رہا ہوں۔ رِضَا اللّٰہِ رِضَانَا اَھْلَ الْبَیْتِ۔ اب جو اللہ کی مرضی ہے وہ ہم اہلِ بیتؑ کی مرضی ہے۔ یہ وہ

یہ وہ گھرانہ ہے جو اپنی جان دے کر اور اپنی جان بیچ کر مرضیٔ حق کا سودا کرتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ ط وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (سورہ بقرہ آیت ۲۰۷)

"انسانوں میں وہ کون ہے جو اپنے نفس کو بیچ کر اللہ کی رضا کو خریدے۔" یہ ہی تو وہ ہیں جو شبِ ہجرت بسترِ رسولؐ پر سو کر اپنے نفس کو بیچتے ہیں۔ رضائے حق کو خریدتے ہیں۔ تو یہ وہ گھرانہ ہے کہ بسترِ رسولؐ پر رضائے حق کو خریدے یا خاکِ نینوا پر۔ مگر خریدی رضائے حق ان بندوں نے رضائے حق کو لے لیا اور اس کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو بندگی کے اس کمال پر پہونچا دیا جہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں اب اس کی مرضی۔

ذرا سی بات ہے، میں نے تین آیتوں سے استدلال کیا ہے کہ خدا راضی نہیں ہے کہ بندے کافر ہوں، خدا راضی نہیں ہے کہ بندے فاسق ہوں، خدا راضی نہیں ہے اس بات پر کہ تم دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ۔

"اَرَضِيتُم بِالحَيٰوةِ الدُّنيَا مِنَ الاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الحَيٰوةِ الدُّنيَا فِى الاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيلٌ ۝ (سورۂ توبہ آیت ۳۸)

حیاتِ دنیا کی بساط کیا ہے، حیاتِ دنیا کی متاع کیا ہے جس کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ یہ زر کی حکومت کیا ہے۔ یہ کس کے پیچھے دوڑ رہے ہو؟ تو یہ وضاحت کر دی پھر اس کے بعد کہا کچھ بندے ایسے ہیں جو میری مرضی پہ چلتے ہیں جو مجھ سے راضی ہوں میں ان سے راضی ہوں۔ يَا اَيَّتُهَا النَّفسُ المُطمَئِنَّةُ ۝ ارجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرضِيَّةً ۝

(سورۃ الفجر آیت ۲۷-۲۸)

"اے صاحبِ نفسِ مطمئنہ لوٹ جا اپنے رب کی طرف اور تو نے اپنے رب کی رضا کو خرید لیا۔" فَادخُلِى فِى عِبٰدِى ۝ وَادخُلِى جَنَّتِى ۝

سورۃ الفجر آیت ۲۹-۳۰

"میرے بندوں میں داخل ہو جا، میری جنت میں آ جا۔" آپ نے دیکھا کہ وہ بندے بھی ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اللہ کی مرضی ہے۔

ابنِ عباس نے کہا جاتے ہوئے، کہ اکیلے جائیے، یہ بہنوں کو کیوں لے جا رہے ہیں؟

تو اب جو جواب ملا اُسے سمجھنا چاہیے آپ کو۔
جواب دیا۔ ابنِ عباس! اِنَّ اللہَ شَآءَ اَن يَّرَاهُنَّ سَبَايَا
اللہ نے چاہا ہے کہ یہ (بہنیں) در بدر پھریں۔
قدموں پر گر گئے۔

عبداللہ ابنِ جعفرِ طیار نے روکا، مولا! نہ جائیے۔
تو بے اختیار (فوراً) فرمایا: اِنَّ اللہَ شَآءَ اَن يَّرَانِى قَتِيلًا۔ "بیشک، اللہ نے یہ چاہا ہے کہ مجھے اپنی راہ میں قتیل (قتل کیا ہوا) دیکھے۔"
اس گفتگو سے آپ ہی کے لیے حجت نہیں ہے۔ میری گفتگو کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اس گفتگو سے قاتل کے لیے حجت نہیں کہ جب خدا نے چاہا تو ہم نے قتل کر دیا۔ اگر یہ نظام ہو تو ساری کائنات میں نظامِ عدل کو درہم برہم پائیں گے کہ خدا نے یہ چاہا۔ ہر شخص کوئی کام کر کے یہی کہے گا کہ خدا نے یہ چاہا۔ مگر جو آپ اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ آپ اپنے خالق کے لیے کیسے پسند کرتے ہیں؟ اور یہ وہ منزل ہے کہ جہاں بار بار آپ ائمۂ اہلِ بیت کے لیے پائیں گے کہ اللہ کی مرضی یہ ہے، اور یہی ہونا چاہیے۔

گفتگو ختم ہوئی۔ میں نے اس آیت سے شروع کیا تھا: اَرَضِيتُم بِالحَيٰوةِ الدُّنيَا مِنَ الاٰخِرَةِ "کیا تم حیاتِ دنیا پر راضی ہو گئے، آخرت کے بدلے"۔

اور میری آخری منزل یہ ہے کہ حسینؑ ابنِ علیؑ نے سجدۂ آخر میں اس دعا کو شروع کیا، جو رضائے رب کی دعا تھی کہ رِضًا بِقَضَآئِهٖ وَتَسلِيمًا لِاَمرِهٖ ۝ میں راضی ہوں اُس کے فیصلے پر۔

حسینؑ راضی ہیں لَا مَوْجُوْدَ سِوَاهُ (اس کے سوا کوئی واجب الوجود نہیں ہے) یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے، اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو سننے والے! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے میرا۔ رِضًا بِقَضَائِهٖ وَتَسْلِیْمًا لِاَمْرِهٖ ○ میں راضی ہوں اُس کے فیصلے پر، میں تسلیم کرتا ہوں اُس کے امر کو۔

مگر دعا کو جس مقام پر ختم کیا وہ جملہ یہ تھا۔ "پروردگارا! میں نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ اب تو اپنے وعدے کو پورا کر۔"

شامِ غریباں کی مجلس ہے۔ حسینؑ ابنِ علیؑ کا وعدہ پورا ہوا، اور میں نے سجدۂ آخر سے گفتگو شروع کی ہے اور یہ چاہتا ہوں کہ یہ بتلاؤں کہ یہ تھا وقتِ عصر کا، اور اس کے بعد کربلا میں شام ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس بارگاہ میں بڑی رونق تھی، آج یہاں سب مٹی پر بیٹھے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں، مگر یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کل کی رات میں اور آج کی رات میں کچھ فرق ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو نظر نہ آئے فرق۔ کوئی زینبؑ کے دل سے پوچھے، کوئی ام لیلےٰ کے دل سے پوچھے، کوئی امِ ربابؑ کے دل سے پوچھے، کوئی امِ فروہ سے پوچھے کہ ان دو راتوں میں فرق کیا ہے۔ کل کی رات کیسی گذری، شبِ عاشور کیسی گذری۔ عباسؑ خیمے کے گرد تھے۔ علی اکبرؑ بار بار اٹھ کر دیکھ رہے تھے کہ کون نامحرم کہاں ہے۔ قاسمؑ ابنِ حسنؑ خیموں کے اطراف تھے۔ بچے تلواریں لیے اپنی ماؤں کے قریب تھے، ماؤں کو تسلی تھی، ہمارے لال ہیں۔ بی بیوں کو تسلی تھی، ہمارے وارث ہیں۔ اور پھر حسینؑ ابنِ علیؑ موجود ہیں۔

ایک دن میں کوئی گھر اس طرح نہیں اُجڑا۔ ایک دن میں کوئی گھر اس طرح سے تباہ نہیں ہوا۔ جو کل کی رات گذری، فرزندِ رسولؐ ایک ایک کے خیمے میں جاتے، دعا کرتے اور دیکھتے، کوئی بندگی میں مشغول ہے، کوئی دادِ شجاعت دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے

کہ کل ہماری شجاعت دیکھنا۔ آپس میں انصارِ حسینؑ باتیں کر رہے ہیں تو یہی، کہ کل بتلائیں گے کہ کیسی جنگ ہوگی؟ حسینؑ ابنِ علیؑ سب کے لیے دعائیں کر رہے ہیں۔ ہاں شہزادیاں مطمئن ہیں کہ علی اکبرؑ ہیں، عونؑ و محمدؑ ہیں۔

میں آپ سے پوچھوں کہ آج گیارہویں کی رات کون ہے؟ آج کون ہے؟ بھرا گھر خالی ہو گیا۔ عباسؑ نہیں، علی اکبرؑ نہیں، عونؑ و محمدؑ نہیں، قاسمؑ ابنِ حسنؑ بھی نہیں اور گھر کا والی بھی نہیں، گھر کا وارث بھی نہیں اور ایسے میں گیارہویں کی رات آئی خیموں میں چراغ نہیں تھے، مگر روشنی ضرور تھی، اور روشنی تھی خیموں کے جلنے کی۔

چراغ شامِ غریباں میں کس طرح جلتے
کسی کے گھر کو جلایا ہے روشنی یوں ہے

روشنی خیموں کے جلنے کی تھی، اور کوئی نہ تھا، ہر ایک یاس کے عالم میں ناامیدی کے عالم میں اپنے اپنے وارث کو یاد کرتے ہوئے جلے ہوئے خیموں کے قریب تھا، سوا ایک بی بی کہ جو نہ بچوں کو یاد کر رہی تھی، نہ بھائی کو یاد کر رہی تھی۔ ایک ایک خیمے میں جاتی اور جیسے جیسے وہ خیمہ جلتا بی بیوں کو باہر لاتی، بچوں کو باہر لاتی، عابدِ بیمار کو کسی صورت سے باہر لائی اور کہا، آؤ سب نزدیک آؤ۔

یہ کنبے کی وارث ہے زینبؑ، یہ کنبے کی محافظ ہے زینبؑ۔ اب زینبؑ کی ذمہ داری ہے، اب عباسؑ زینبؑ، علی اکبرؑ زینبؑ، قاسم زینبؑ، حسینؑ زینبؑ، اب سب کی نیابت زینبؑ کرے گی۔ ایک ایک بچے کو سنبھالا اور کہا۔ "ادھر آؤ میرے نزدیک آؤ، گھبراؤ نہیں، ڈرو نہیں، کسی کی مجال نہیں ہے کہ اب خیموں کی طرف آئے، اب اسد اللہ کی بیٹی موجود ہے۔"

اللہ اللہ، کسی کو اس طرح کی پریشانی نہ ہو۔ جہاں جہاں میری آواز پہونچ رہی ہے، ممکن ہے وہاں حیرانی ہو، ممکن ہے وہاں پریشانی ہو، ممکن ہے وہاں

اسیری ہو، ممکن ہے کہ وہ لوگ بھی قید و بند کی زحمتیں جھیل رہے ہوں، مگر تم یاد تو کرو آج کی رات کو: ظاہر ہے کہ تمھارے لیے "اے اسیرو!" "اے قید ہونے والو!" ہمارے دل دُکھتے ہیں۔ مگر تم کو یاد رکھنا چاہیے کربلا والوں کو۔ کربلا والے یاد آئے عجیب عالم میں یاد آئے کربلا والے۔

میں نے تقریر خاتمے پر پہونچائی۔ یہ قیامت کی رات ہے۔ آؤ آؤ ہم تم مل کر آخری مرتبہ رضائے حق کو پانے والوں کو سلام کریں، اور جہاں جہاں میری آواز جا رہی ہے وہ بھی سلام کریں، اسلام ہو علیؑ اکبر پر، سلام ہو ہمارا عباسؑ پر سلام ہو ہمارا قاسمؑ ابن حسنؑ پر، سلام ہو ہمارا عونؑ و محمدؑ پر، اور کچھ آگے۔ سلام ہو ہمارا فاطمہؑ کے اس لال پر جس کی لاش پامال کردی گئی۔

دُعا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○

(سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶)

زندگی بجز بندگی کے اور کچھ نہیں ہے اور روحِ بندگی، عزتِ بندگی، سرمایۂ بندگی، فخرِ بندگی دُعا ہے۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ بعنوانِ "دُعا" کلامِ الٰہی سے استفادہ کیا جائے اور چند اہم امور اس آیہ وافی ہدایہ کے ذیل میں جو سورۂ بقرہ کی آیت ہے آپ کی سماعت کے لیے ہدیہ بنے۔

ارشاد ہوتا ہے: "اگر اور جب تجھ سے سوال کریں میرے بندے میرے متعلق، تو کہہ دینا میں نزدیک ہوں اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے، مجھے پکارتا ہے، میں جواب دیتا ہوں فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ 'پس مجھے پکارو، مجھے آواز دو،' وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ 'میری باتوں پر یقین رکھو،'

ایمان لاؤ۔ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ • تاکہ تمھیں راہِ رشد ملے، تاکہ تم نیکی کی راہ پر بڑھو۔ اس آیۂ وافی ہدایہ پر پہلے غور کرلیں۔

قرآن مجید میں دو ہزار تین سو یا تین ہزار دو سو سے زیادہ ہی ایسی آیتیں ہیں کہ جہاں علمار نے اختلاف کے ساتھ گنتی کی ہے، آیتوں کی۔ ان آیتوں میں یہ ایک ہی آیت ہے جس میں سات مطالب پر گفتگو کی ہے۔ پہلے وہ سات مطالب آپ سمجھ لیں۔

پہلے سوال، کہ طریقۂ سوال کیا ہو اِذَا سَاَلَكَ جب تجھ سے پوچھیں طلب کریں میرے متعلق معلوم کریں۔ دوسرے فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ پس میں قریب ہوں، یعنی قربتِ تامّہ، تیسری منزل اُجِیْبُ، اجابتِ دعا۔ چوتھی منزل اِذَا دَعَانِ جب کوئی مجھے پکارے، جب کوئی مجھے دعا میں آواز دے۔ یعنی شرطِ دعا، فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ پس اچھا ہے مجھے پکاریں۔ مجھ سے مانگیں اور اس کے بعد وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ اور مجھ پر یقین رکھیں، ایمان لائیں۔ نتیجہ آخر میں ساتواں مطلب ہے، رشاد، نیکی، ہدایت، رہ رشد۔ یہ لازمی ہے اُس کے لیے جو مجھے آواز دے، جس کی آواز کو میں سنتا ہوں، اور اس کو میں جواب دیتا ہوں، لبیک کہتا ہوں۔

اب یہاں چند اہم عنوانات ہیں۔ یعنی "قربتِ الٰہی" ایک مستقل عنوان ہے "طلب وسوال" ایک مستقل عنوان ہے۔ "اجابت دعا" ایک مستقل عنوان ہے ایک مختصر سی آیت اتنے معنی پر محیط ہے اور اس کے بعد ایک عجیب بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف ایک ہی آیت ہے جس میں سات مرتبہ ضمیرِ متکلم کو استعمال کیا ہے۔ میں، میں، میں۔ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ جب میرے بندے فَاِنِّیْ میرے متعلق اُجِیْبُ میں جواب دوں گا۔ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ جب مجھے آواز دیں فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ پس یہ لوگ مجھے پکاریں وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ پس مجھ پر یقین کریں تاکہ رہ رشد پر آئیں۔

اب اس منزل پر ہم اس امر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ تجدیدِ ہستیِ مومن ہے دعا، جانِ حیات ہے دعا، رازِ بندگی ہے دعا، شرافتِ انسان ہے دعا بشرطیکہ کوئی آواز دے، ورنہ کائنات کا ذرہ ذرہ تو اپنی احتیاج کی وجہ سے خود بارگاہِ صمدیت میں بدست دعا ہے مگر چونکہ عقل نہیں ہے اس لیے اس کو دعا نہیں کہتے، ورنہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی بارگاہ میں بجز طلب کے اور کچھ نہیں ہے۔ اپنی حیات کی بھیک مانگ رہا ہے۔ ایک ایک ذرہ اور اسی منزل پر یہ بھی ارشاد ہوا کہ ایسا نہیں کہ کافر ہے اور نہ مانگے، مشرک ہے اور نہ مانگے، نہیں وہ بھی مانگ رہے ہیں فقط یہی کہ زبان سے میرے وجود کا انکار کر رہے ہیں۔ مگر ان کی رگِ حیات مانگ رہی ہے۔ ان کے نفوس مانگ رہے ہیں۔ ان کے خون کے اچھلتے ہوئے ذرات مانگ رہے ہیں۔ ان کے آلاتِ تنفس مانگ رہے ہیں اور میں دے رہا ہوں۔

ارشاد ہوا " مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا • وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا • (بنی اسرائیل ١٨-١٩)

جو تیز ملنے والی دولت کو مانگے، ہم بھی جلدی سے کچھ دے دیتے ہیں مگر عاقبت میں اس کا انجام اچھا نہیں ہے، اس لیے کہ نفعِ حاضر کو مانگا ہے اور جو آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے جیسی کوشش کرنی چاہیے کرے اور وہ مومن (بھی) ہو، یہی وہ منزل ہے جن کی سعی کو ہم قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ہم ان کی بھی مدد کرتے ہیں۔ تیرے رب کے عطا میں کمی نہیں ہے، قید نہیں ہے، فرعون بھی مانگے تو دیں گے، موسیٰ مانگیں تو دیں گے نمرود مانگے تو دیں گے، ابراہیم مانگیں تو دیں گے، فرق اتنا ہے کہ فرعون لسانِ استعداد

سے مانگ رہا ہے، موسٰی زبانِ بندگی سے مانگ رہے ہیں، نمرود لسانِ استعداد سے مانگ رہا ہے، اپنی صلاحیتوں سے مانگ رہا ہے، اُس کا جسم مانگ رہا ہے، اُس کے لہو کے ذرّے مانگ رہے ہیں، اُس کی ہڈیوں کے ٹکڑے مانگ رہے ہیں، اُس کی زندگی جو ہم نے اُس کو عطا کی ہے، ہماری رحمانیت کا تقاضا ہے کہ جب وہ مانگے تو دیں گے زبان سے انکار کر رہا ہے محروم نہیں کریں گے۔ مگر وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ اور جب میری عبدیت میں کوئی آجائے، جب میرا عبد بن کر کوئی آئے، تجھ سے میرا پتہ پوچھے، تجھ سے میرے متعلق پوچھے تو پہلی منزل اِنِّیْ قَرِیْبٌ، تو کہہ دینا میں قریب ہوں، دور نہیں ہوں۔ اب آہستہ کہو، دل میں کہو، چھپا کر کہو۔ مانگو مگر شرماؤ نہیں۔ اُجِیْبُ ہمیشہ قبول کروں گا، مضارع کا صیغہ ہے۔ استمرارِ اجابت ہمیشہ قبول کروں گا۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ پکارنے والے کی آواز کو دعا کرنے والے کی دعا کو میں قبول کروں گا پس آواز دو مجھے۔

سورۂ مومن چالیسواں سورہ ہے قرآن کا، اس میں ارشاد ہوا۔

"اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" (سورۂ مومن آیت ۶۰)

مانگو تم، دعا کرو، مانگو! میں دعا قبول کرتا ہوں

اس لیے کہ انبیاء کا طریقہ یہی تھا کہ وہ دعا کی منزل پر تھے تو ظاہر ہے، دعا شرافتِ انسان ہے۔ اگر یہ میری آواز ایک پیغام کی صورت اختیار کر رہی ہے تو الفاظِ معصوم یہ ہیں کہ قرآن میں چار مقام ایسے ہیں کہ جہاں دعا کرنے کی تربیت اس طرح سے کی کہ تم اس طرح سے کہو، اور جیسے ہی وہ دعا ختم ہوگی ہم قبول کریں گے۔

پہلے ارشاد فرمایا کہ جیسے ہی بندہ کہے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ "ہمارے لیے اللہ کافی ہے، وہی ہمارے لیے کافی ہے"، فوراً ہی اس کے بعد بلا تردد کہا، فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (سورۂ آلِ عمران آیت ۱۷۴)

"اللہ کی نعمت اور فضل نے اسے گھیر لیا"۔ آیت کے بعد ہی وعدہ ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" (سورۂ انبیاء آیت ۸۷) آیت ختم نہیں ہوئی وعدہ ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُــْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ (سورۂ انبیاء آیت ۸۸) "ہم نے اس کی دعا کو قبول کرلیا، ہم نے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم صاحبانِ ایمان کی دعاؤں کو قبول کرتے رہتے ہیں"۔

اس کے بعد ایک عجیب آیت ہے کہ جہاں ارشاد ہوا:

"مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (سورہ کہف آیت ۳۹)

جس کی زبان سے یہ جملہ نکلتا ہے ہم اس کی لذتوں کو بڑھا دیتے ہیں، نعمتہائے دنیا میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ دو حصے اس کو عطا کرتے ہیں۔ ان آیات کو کوئی نہ بھولے۔ اور آخر میں ایک آیت ہے اور عجیب آیت ہے۔ حزقیل[1] نے یہ آیت تلاوت کی تھی وہ آیت ہے" اُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ (سورۂ مومن آیت ۴۴) میں اپنا کام اللہ کے حوالے کر رہا ہوں، بیشک اللہ بہتر جانتا ہے کہ بندے کیا چاہتے ہیں۔

ارشاد ہوا، جیسے ہی یہ جملہ ان کی زبان سے نکلا، ہم نے ان کی دعاؤں کو قبول کیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "ہمارے دوستوں میں سے اور امتِ محمدیہ میں سے جو کوئی ان چار آیتوں کا ورد رکھے تو کبھی اس کی دعا رد نہیں ہوگی"۔

---

[1] یہ دعا حزقیل مومنِ آلِ فرعون نے کی تھی (دیکھیے قرآن مجید)

یہ کلام مجید ہی کی آیتیں ہیں۔ ان کو دعائیں بنا کر آگے بڑھانا ہے۔

اللہ کے عزیز بندے، اللہ کے باخبر بندے، مزاجِ الٰہی کو جاننے والے بندے، مشیتِ الٰہی سے آگاہ بندے چاہتے یہ ہیں کہ دعا میں وہ کیف پیدا ہو کہ جہاں دعا زبان سے نکلے تو سننے والے تو خیر مگر مالک یہ کہے کہ "سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ ۝" (سورۂ صافات ۱۵۹، ۱۶۰)

ان کی (تمہاری) ہر تعریف سے اللہ بلند ہے مگر جب مخلص بندے میری تعریف کرتے ہیں تو مجھے پسند آتی ہے۔

آیئے ایک مخلص بندے نے دعا کی ہے۔ "دعائے صباح"، اس کے صرف تین ٹکڑے پڑھ رہا ہوں:۔

"اِلٰهِیْ کَیْفَ تَطْرُدُ مِسْکِیْنًا الْتَجَاَ اِلَیْکَ مِنَ الذُّنُوْبِ هَارِبًا اَمْ کَیْفَ تُخَیِّبُ مُسْتَرْشِدًا قَصَدَ اِلٰی جَنَابِکَ سَاعِیًا اَمْ کَیْفَ تَرُدُّ ظَمْآنَ وَرَدَ اِلٰی حِیَاضِکَ شَارِبًا کَلَّا وَحِیَاضُکَ مُتْرَعَةٌ فِیْ ضَنْکِ الْمُحُوْلِ وَبَابُکَ مَفْتُوْحٌ لِلطَّلَبِ وَالْوُغُوْلِ۔"

پروردگارا! تو اس مسکین کو کیسے واپس کردے گا جو اپنے گناہوں سے بھاگ کر تیرے دروازہ پر آیا ہے۔ پروردگارا! تو رہ ہدایت کو تلاش کرنے والے کو کیسے محروم کردے گا جو تیری بارگاہ میں کوششیں کرتا ہوا آیا ہو، اس تمنا پر کہ اب مجھے راہ مل جائے گی۔ پروردگارا! اس پیاسے کو کیسے محروم کردے گا جو تیری معرفت کو حاصل کرنے کھڑا ہوا ہو، تیری چوکھٹ پر۔ کیا تو اس کو واپس کردے گا؟ اور حالانکہ تیرا دروازہ ہر ایک طالب و سائل کے لیے کھلا ہوا ہے۔

یہ "دعائے صباح" ہے۔ شانِ دعا آپ نے دیکھی! اللہ کے مخلص بندے چاہتے یہ ہیں کہ دعا، وہ دعا ہو کہ جس میں لذتِ مناجات بھی ہو اظہارِ بندگی

بھی ہو، شانِ بندگی بھی ہو اور اپنا مطلب بھی ادا ہو جائے۔ ایک اور منزلِ دعا۔ قرآن نے تو واقعہ یہ ہے کہ دعا کا طریقہ سکھلایا کہ پہلے معبود کی تعریف ہو، تحمید ہو، تمجید ہو، پھر اس کے بعد دعا ہو۔

ایک اور منزلِ دعا، کہ جہاں ۹ ذی الحجہ کو حسینؑ ابن علیؑ دعا کر رہے تھے۔

"اِلٰهِیْ تَرَدُّدِیْ فِی الْاٰثَارِ یُوْجِبُ بُعْدَ الْمَزَارِ اِلَیْکَ اَیَکُوْنُ لِغَیْرِکَ مِنَ الظُّهُوْرِ مَا لَیْسَ لَکَ حَتّٰی یَکُوْنَ هُوَ الْمُظْهِرَ لَکَ مَتٰی غِبْتَ حَتّٰی تَحْتَاجَ اِلٰی دَلِیْلٍ یَدُلُّ عَلَیْکَ وَمَتٰی بَعُدْتَ حَتّٰی تَکُوْنَ الْاٰثَارُ هِیَ الَّتِیْ تُوْصِلُ اِلَیْکَ"

مالک میرے! میں تیری نشانیوں کو کیا ڈھونڈتا جاؤں، کہیں ایسا نہ ہو کہ زیارت گاہ دور ہو جائے، میں آثار میں کہاں تک فکر کروں۔ ایسا نہ ہو کہ مؤثر نگاہوں سے ہٹ جائے، پروردگارا! کیا تیرے غیر کے لیے بھی کوئی ظہور ہے جو تجھے میسر نہ ہو۔ پروردگارا! تو غائب کہاں ہے کہ میں کسی کو دلیل بنا کر تیری بارگاہ میں لاؤں، تو دور کہاں ہے کہ میں تجھے ڈھونڈتا پھروں۔ (اس کے بعد دعا کی شان دیکھیے) پروردگارا! اس نے کیا کھویا جس نے تجھ کو پایا، اور اس نے کیا پایا جس نے تجھ کو کھویا۔

یہ شانِ دعا ہے۔

دعا کی ساری مصلحت یہی ہے کہ دل ہر آن حاضر و ناظر رہے۔ دل ہمیشہ طالب و سائل رہے، دل ہمیشہ اس بات کو محسوس کرتا رہے کہ کوئی قریب ہے اور اس اعتبار سے دعا کی جاتی ہے اور بار بار قرآن یہ کہتا ہے۔ دیکھو ایسے کہتے رہنا:

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً ۚ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ" (سورہ آل عمران آیت ۸)

اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے قلوب میں اپنی ہدایت کے بعد کجی پیدا نہ کر اور ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عطا فرما، بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

(یعنی) پروردگار کہیں میرے قلب میں کوئی ایسی بات نہ ہو کر کجی آجائے۔ ہدایت کے بعد پھر کجی نہ ہو۔ مجھے ثابت قدم رکھ تیری بارگاہ میں چلتے ہوئے، تیری بارگاہ میں حاضری دیتے ہوئے میں ثابت قدم رہوں۔

اسی طرح سرکارِ رسالتؐ نے ایک دعا کی تھی، صبح روزِ بدر، بدر کی لڑائی چھڑی، دوسری ہجری اور عجیب دعا ہے، یاد رکھنے کے قابل ہے یہ دعا صرف دو زبانوں پر آئی تھی۔ اللہ کے دو بندوں نے اس دعا کو دہرایا اور یہ تاریخ میں انہی کے لیے محدود اور مخصوص ہو کر رہ گئی۔ صبح بدر رسولؐ نے اس دعا کو پڑھا۔ صبح عاشور حسینؑ نے اس دعا کو پڑھا۔ اب اس دعا کو مجھ سے بھی سن لیجیے۔ ایک ہی دعا تھی نانا اور نواسے کی، صبح بدر اور صبحِ عاشور۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِي فِي كُلِّ كَرْبٍ وَرَجَاءِيْ فِي كُلِّ شِدَّةٍ وَاَنْتَ وَلِيِّيْ فِي كُلِّ اَمْرٍ نَزَلَ بِيْ شِقَّةً وَعُدَّةً وَكَمْ مِنْ كَرْبٍ يَضْعُفُ عِنْدَ الْفُؤَادِ تَقِلُّ فِيْهِ الْحِيْلَةُ وَتَخْذُلُ فِيْهِ الصَّدِيْقُ وَيَشْمُتُ بِهِ الْعَدُوُّ وَاَنْزَلْتُهُ بِكَ وَشَكَوْتُهُ اِلَيْكَ رَغْبَةً مِنِّيْ اِلَيْكَ عَمَّنْ سِوَاكَ فَفَرَّجْتَهُ وَكَشَفْتَهُ فَاَنْتَ كُلُّ نِعْمَةٍ وَصَاحِبُ كُلِّ حَسَنَةٍ وَمُنْتَهٰى كُلِّ رَغْبَةٍ

پروردگارا! تو میرا واحد سہارا ہے، پروردگارا! تیرے سوا میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔ پروردگارا! تجھی پر بھروسہ کیا ہے۔ پروردگارا! کتنی تکلیفیں کبھی کبھی ایسی پڑتی

ہیں کہ جن سے کبھی کبھی دل کمزور ہو جاتا ہے اور دشمن اس وقت رسوا کرنا چاہتا ہے اور دوست اس وقت ہنسی اڑاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسی گھڑیاں آتی ہیں، اور جب ایسی گھڑی آئی تو میں نے بلا تاخیر تیری بارگاہ میں توجہ کی ہے، میں نے تجھ کو پکارا ہے۔ میں نے تیری طرف توجہ کی ہے، تو نے اس طرح سے ہر بلا کو مجھ سے ٹال دیا پروردگارا! آج بھی میرے لیے سہارا بن جا۔ یہ صبح بدر کی دعا ہے۔ اور اسی کی تلاوت صبح عاشور حسینؑ نے کی۔

روزِ عاشور حسینؑ نے دو دعائیں کی ہیں۔ ایک دعا صبح عاشور اور ایک دعا سارے عزیزوں کے قتل ہونے کے بعد اور یہ دعا عجیب ہے۔ اس دعا کے لیے علماء نے لکھا ہے کہ اس دعا کو تیسری شعبان کی رات (شبِ مولود) پڑھا جائے۔

"اَللّٰهُمَّ اَنْتَ مُتَعَالِي الْمَكَانِ عَظِيْمُ الْجَبَرُوْتِ شَدِيْدُ الْمِحَالِ غَنِيٌّ عَنِ الْخَلَائِقِ عَرِيْضُ الْكِبْرِيَاءِ قَادِرٌ عَلٰى مَا تَشَاءُ قَرِيْبُ الرَّحْمَةِ وَشَكُوْرٌ اِذَا شُكِرْتَ وَذَكُوْرٌ اِذَا ذُكِرْتَ اُحْكُمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا وَنَحْنُ عِتْرَةُ نَبِيِّكَ وَوَلَدُ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الَّذِيْ اصْطَفَيْتَهُ بِالرِّسَالَةِ وَائْتَمَنْتَهُ عَلٰى وَحْيِكَ۔"

پروردگارا! تیرا مکان بلند ہے، تیرے جبروت میں عظمت ہے۔ پروردگارا! تو ہر ایک سے قریب ہے، اے مالک میرے! تو ہر آفت میں، ہر مشکل میں واحد سہارا ہے۔ عرض کرتے ہیں بارگاہِ ربّ العزت میں پروردگارا! تیری ذاتِ گرامی وہ ہے کہ جب تیرا کوئی ذکر کرتا ہے تو اس بدلے میں تو خود ذاکر ہو جاتا ہے۔ اور جب کوئی تیرا شکر ادا کرتا ہے تو اس کی قدر کرنے لگتا ہے۔ پروردگارا! آج ہم میں اور اس قوم میں فیصلہ فرما، ہم تیرے نبیؐ کی عترت ہیں۔ ہم اس کی اولاد

ہیں کہ جس کو تو نے امین بنایا تھا، اپنی وحی اور رسالت پر۔

آپ نے دیکھا کہ شانِ دعا وہ ہو کہ جہاں رات کی تاریکی میں دل مصروف رہے۔ مگر صرف ایک بات جب ہم دعا کریں تو یقیناً اس دعا کے ساتھ کوئی اور ایسا واسطہ بھی رہے کہ دعا پھر رد نہ ہو سکے۔

چنانچہ بار بار عرض کیا گیا حج سے واپس ہوتے والے جب مدینۂ منورہ پہونچتے ہیں اور قبرِ رسولؐ پر آتے ہیں تو سورۂ نساء کی اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ"

وہ لوگ جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اور وہ جب تیرے پاس آئیں (اے حبیبؐ) اور خدا سے بخشش مانگیں "وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" اور اگر اے رسولؐ! تم ان کے درمیان واسطہ بن جاؤ یقیناً اللہ کو وہ لوگ بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (نساء ۶۵)

اے محمدؐ! تمھارے رب کی قسم یہ مومن کبھی نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے معاملات میں تم کو واسطہ نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں بھی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں۔ سر بسر تسلیم کریں۔

اور سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا:

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" (سورۂ احزاب آیت ۵۶)

یہ آیۂ درود ہے جو سورۂ احزاب میں موجود ہے تو درود اور دعا کو واسطہ بنائے رہو تاکہ دعا رد نہ ہو سکے۔

یہی وہ منزل ہے کہ عبدیت پہچانی جاتی ہے اور اسی منزل پر پہونچ کر فرزندِ رسولؐ نے طویل دعائیں کی ہیں۔ روزِ عاشورہ، مرزا دبیر نے وہ دعائیں نظم بھی کی ہیں ایک مقام پر مختصر سی ایک دعا یہ ہے:[1]

غم کا مجھے غم ہے نہ خوشی مجھ کو خوشی کی — تو سر پہ ہے پروا نہیں بندے کو کسی کی
ہاں ایک یہ حاجت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی — سر ننگے نہ دیکھوں میں نواسی کو نبیؐ کی

بے پردہ وہ جب ہو کہ میں پیوندِ زمیں ہوں
اور یاں تیری مرضی ہے تو باہر بھی نہیں ہوں

یہ شانِ دعا ہے یعنی نفسِ مطمئنہ آگے بڑھ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ شامِ غریباں کا اہتمام کر رہے ہیں اور مجھ سے بھی یہی توقع کر رہے ہیں کہ میں شامِ غریباں پر گفتگو کروں لیکن شام ہونے سے پہلے کی روداد یہ ہے۔ حسینؑ ابنِ علیؑ عزیزوں کو خدا حافظ کہہ کر انصار کے لاشے اٹھا کر جب خیمے میں آئے اور ایک مرتبہ گھر کی حالت دیکھی اللہ کسی گھر والے کو اس طرح سے گھر کا اجڑنا دکھائے۔ سب کے سب پریشان ہیں۔ سب کے سب حیران ہیں۔ عابدِ بیمار کے سرہانے پہونچے سورۂ حمد کی تلاوت کی، بازو کو تھاما۔ عابدِ بیمار نے آنکھیں کھولیں اور مضطربانہ پوچھا:

بابا! آپ زخمی ہیں۔ کیا چچا جان مارے گئے؟

کہا۔ ہاں، بیٹا سب گھر کا گھر قتل ہو گیا بس اتنا کہنے کے لیے آیا ہوں اب یہ گھر تمھارے حوالے ہے یہ کنبہ تمھارے حوالے ہے۔ عابدِ بیمار اس گھر کا ذرا خیال رکھنا خدا حافظ کہہ کے چلے تھے کہ عابدِ بیمار نے چاہا کہ کھڑے ہو جائیں۔

امامؑ نے فرمایا: میرے حق کی قسم لیٹ جاؤ، تم کو اجازت نہیں ہے۔

---

[1] یہ بند مرزا دبیر کے مرثیے کا ہے جس کا مطلع ہے "جب اصغرِ بے شیر گئے نہر لبن کو"

باہر آئے اور آواز دی زینبؑ و ام کلثومؑ، رقیہؑ اور سکینہؑ تم سب کو حسینؑ کا آخری سلام۔

اس کے بعد خیمے کا پردہ اٹھایا اور جناب زینبؑ سے گلے رخصت ہوئے۔

اچانک ایک بچی نے دامن تھام لیا، ایسے موقع پر بچی نے کہا:

بابا جاتے ہو، جاؤ بابا، جاؤ بابا۔

میر انیس کہتے ہیں بچی نے کہا:

نیند آئے گی جب آپ کی بو پاؤں گی بابا
میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا

فرمایا نکلتی نہیں سیدانیاں باہر — چھاتی پہ سلائیں گی تمہیں رات کو مادر
وہ کہتی تھی سوئیں گے کہاں بھر علی اصغرؑ — فرماتے تھے بس ضد نہ کرو صدقے میں تم پر

شب ہوئے گی اور دشت میں ہم سوئیں گے بی بی
اصغرؑ میرے ساتھ آج وہیں سوئیں گے بی بی

وہ کہتی تھی بس دیکھ لیا آپ کا بھی پیار — میں آپ سے بولوں گی نہ اب یا شہ ابرار
اچھا نہ اگر کیجیے جلد آنے کا اقرار — مر جائے گی اس شب کو تڑپ کر یہ دل افگار

کیسی ہیں یہ باتیں میرا دل روتا ہے بابا
گھر چھوڑ کے جنگل میں کوئی سوتا ہے بابا

اصغرؑ کبھی ساتھ آپ کے اب تک نہیں سوئے — بہلا لیا اماں نے اگر چونک کے روئے
شفقت تھی مجھی پر کہ یہ بے چین نہ ہوئے — یہ پیار ہو جس پر اسے یوں ہاتھ سے کھوئے

جیتے رہیں فرزند کہ سب لخت جگر ہیں
میں آپ کی بیٹی ہوں وہ اماں کے پسر ہیں

اب کیا جواب دیتے ہیں حسینؑ۔ ایک مرتبہ گفتگو کے سلسلے کو بدل کر کہا:

لو روؤ نہ اب صبر کرو باپ کو جانی — کچھ دیتی ہو عباسؑ کو پیغام زبانی
اودے ہیں لب لعل یہ ہے تشنہ دہانی — ملتا ہے تو بی بی کیلئے لاتے ہیں پانی

محبوب الٰہی کے نواسے ہیں سکینہؑ
ہم بھی تو کئی روز کے پیاسے ہیں سکینہؑ

اب بچی چپ ہوگئی جب باپ نے پیاس کا تذکرہ کیا بچی چپ ہوگئی۔ حدیث کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ سکینہؑ! اب مجھے جانے دو، شاید میں تمھارے لیے پانی لا سکوں، سکینہ یہیں ٹھہرو۔

حسینؑ گئے عصر کا وقت آگیا کربلا کے میدان میں شام ہوگئی حسینؑ گئے اور آفتاب ڈوبا، حسینؑ گئے اور بچی نے طمانچے کھائے، حسینؑ گئے اور بچی کے گوشوارے چھین لیے گئے، بچی انتظار میں رہی خیمے جل گئے۔ بی بیوں کی چادریں چھین لی گئیں بچی یہی کہتی رہی، بابا نہیں آئے۔ بابا کہہ کے گئے تھے، بابا نہیں آئے۔

جناب زینبؑ جلتے ہوئے خیموں سے بچوں کو نکال کر لائیں، اور ایک مرتبہ سب کو دیکھنا شروع کیا۔ گھبرا کے کہا ام کلثوم! سکینہ بی بی نہیں ہیں، ام کلثوم! سکینہؑ بی بی نہیں ہیں۔ ام کلثوم! تم یہاں بیٹھو، میں ذرا جا کر دیکھ آؤں، شاید نہر پر چچا کے پاس گئی ہو۔ نہر کے قریب گئیں، آواز دی عباسؑ! وہاں سکینہ تو نہیں ہے وہاں سکینہ تو نہیں آئی۔

کوئی جواب نہیں آیا۔ وہاں سے سیدھی مقتل میں آئیں۔ لاش حسینؑ کے قریب آئیں، بھائی وہاں سکینہ ہے؟ ایک مرتبہ ایک آواز پیدا ہوئی، زینبؑ آہستہ بولو، میرے سینے پر سو رہی ہے۔ میرے سینے پر سو رہی ہے۔ جناب زینبؑ نزدیک پہنچیں، بی بی کا بازو تھام کر ہلایا سکینہ بی بی جنگل میں نہیں سوتے۔ ایک مرتبہ آنکھیں کھول کر کہا۔ پھوپی اماں! میرے بابا اکیلے ہیں، میں نہیں آؤں گی۔ زینبؑ نے کہا چلو بی بی سکینہ گھر چلو سکینہ۔

سجدہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩

(سورہ مریم آیت ۵۸)

یہ سورۂ مریم کی آیت ہے۔ اور ظاہری ترجمہ آیت کا یہ ہے

یہی وہ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا' انبیاء میں سے' اولادِ آدمؑ میں سے اور اُن میں سے جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ (کشتی پر) اُٹھایا' اور ابراہیمؑ و اسرائیل (یعقوبؑ) کی اولاد میں سے اور جن میں سے ہم نے ہدایت یافتہ بنائے اور منتخب کیے، جب اُن پر رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُکِیًّا' تو روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

انبیاء کا شعار سجدہ، انبیاء کا طریقہ سجدہ' اولیا کی زندگی سجدہ محبت

کا راز سجدہ معرفت کی تلاش سجدہ اور پھر اس تذکرے کے ساتھ کہ جن پر ہم نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا۔ انبیاء میں سے ان کا شعار یہ ہے کہ رحمٰن کی آیتیں اُن پر پڑھی جاتی ہیں تو وہ روتے روتے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

تقاضائے رحمانیت سجدہ۔ جہاں جو عمل والے ہوں کہ وہ اپنے خوانِ کرم سے فرعون کو بھی سرفراز کرے اور موسیٰ کو بھی، ابراہیم کو بھی عطا کرے، نمرود کو بھی، اس خوانِ کرم پر دوست اور دشمن پرورش پائیں اور اس ہی کی رحمتوں سے موحّد اور مشرک استفادہ کریں تو وہ رحمٰن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ "اے انسان اب تو سجدہ کر دے" یہ وہ منزل ہے کہ جہاں میں مختصر سی توجہ کا طالب ہوں

قرآن مجید میں لفظ سجدہ چودہ مقامات پر آیا ہے۔ اگر آپ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران مسلسل دیکھتے ہوئے جائیں تو ایک مقام پر آپ کو یہ ارشاد بھی ملے گا سورۂ رعد میں کہ: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (سورۂ رعد آیت ۱۵)

اُسی کو سجدہ کرتے ہیں زمین و آسمان میں جو بھی ہے "مَنْ" ذوی العقول کے لیے ہے وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور ان کے اظلال کے سائے فقط یہی نہیں کہ جہاں آفتاب کسی چیز کو اپنے سامنے حائل دیکھ کر سایہ ڈال دے ان کے اثرات جہاں تک جائیں ان کا نفوذ جہاں جہاں تک جائے ان کا ظل بننے کی جو جو کوشش کرے وہ سب کے سب سجدہ کرتے ہیں ان کے اظلال بھی سجدہ کرتے ہیں اُن کے سائے بھی سجدہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد سورۂ نحل میں ارشاد ہوا: وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ (سورۂ نحل آیت ۴۹)

یہ "ما" غیر ذوی العقول کے لیے ہے۔ "ہر وہ شے سجدہ کرتی ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے وہ ذوی العقول ہو تو سجدہ کرے، غیر ذوی العقول ہو تو سجدہ کرے۔ کائنات کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سجدے کا انکار کرے۔ ایک ایک ذرہ مقام تسبیح پر ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴)

کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اپنے رب کی تسبیح نہ کرتی ہو، مگر یہی کہ تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے۔

"مَا مِنْ شَيْءٍ اِلَّا لَهٗ لِسَانٌ لَيْتَكَلَّمُ التَّسْبِيْحَ"

کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کی زبان ملکوتی نہ ہو جس سے تسبیح و تقدیس و تہلیل و تحمید الٰہی نہ ہوتی ہو

ساری کائنات تسبیح کی منزل پر ہے اور پھر تسبیح و تقدیس کا کمال انتہائے بندگی، کچھ منازل کے بعد پہلی منزل جہاں توجہ ایک طرف ہو رُخِ حیات ایک طرف ہو۔

"لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا"

"ہر ایک کے لیے ایک رُخِ حیات ہے وہی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے" آپ کھڑے ہو گئے یہ قیام ہے۔

"وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ"

(سورہ انعام آیت ۷۹)

توجہات کو اپنے خالق کی طرف معطوف کر رہا ہوں، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے کی طرف مبذول کر رہا ہوں، اور یقیناً میرا قیام اسی لیے ہے۔

یہ ایک صورت بندگی ہے اور پھر رکوع، کہ جہاں یہ بھی پسند نہ ہوا، میں حالتِ قیام میں اپنی انا کو منواؤں، یہ قیام بھی نہیں، بلکہ رکوع ہے۔ اور اس کے بعد تیسری منزل انتہائی منزلِ عبادت ہے کہ جہاں نہ قیام پسند ہے نہ رکوع، اب سجدہ چاہیے، اب فنائے ذات چاہیے۔ اب ہمیں اپنی بقا نہیں کسی اور کی بقا منظور ہے۔ سجدہ شرافتِ انسان، سجدہ کمالِ حیاتِ انسان۔ اب دل تڑپے تو سجدہ کرے، نعمت ملے تو سجدہ کرے، ذرا سی کوئی اچھی بات ہو جائے تو سجدہ کرے۔ یہ سجدے کی حالت انسان کو کامران و کامیاب بنائے گی۔ نہ گھبراؤ سجدے سے نہ بھاگو سجدے سے، منہ نہ پھیرو سجدے سے۔

حریم تیرا خودی غیر کی، معاذ اللہ — دوبارہ زندہ نہ کر کاروبارِ لات و منات
وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے — ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اس طرح سے انسان ساری زندگی میں ان لمحات کی قدر کرے کہ جہاں دل تڑپ کے یہ چاہے کہ چلو سجدہ کریں یعنی یہ ضروری نہیں کہ وقت سجدہ آئے، یہ فرض تو نہیں کہ وقتِ عبادت رہے۔ بھئی ذرا سی نعمت ملی سجدہ، ذرا سی خطا نظر آئی سجدہ، ذرا سی خوشی معلوم ہوئی سجدہ۔ نہیں ذرا سا غم آ گیا سجدہ، ذرا سا اندوہ پیدا ہو گیا سجدہ، وہ غم و ہم میں اور خوشی و مسرت میں سجدے کی عادت، یہ انبیاء کا شعار ہے مگر اس کے ساتھ قرآن نے کہا کہ یوں سجدہ نہیں کرتے، روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں، تو رونا اور سجدے میں گرنا، یہ انبیاء کا شعار ہے۔

"وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا ۔"

(سورۂ مریم آیت ۵۸)

اور جب ان پر رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ روتے روتے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

سورۂ فرقان قرآن مجید کا پچیسواں سورہ ہے: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا" (فرقان آیت ۶۳)

اور رحمٰن کے بندے زمین پر سر جھکا کے چلتے ہیں وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۔ (سورۂ فرقان آیت ۶۳) اور جب کوئی جاہل ان سے خطاب کرتا ہے تو کہتے ہیں تم سلامت رہو، تم اچھے رہو۔

یعنی ان کی باتوں میں یہ مٹھاس ہے۔

"وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ۔" (فرقان آیت ۶۴)

(اور وہ جو اپنے رب کے لیے سجدے و قیام میں راتیں بسر کرتے ہیں۔)

رحمٰن کا بندہ ہی سجدہ کرتا ہے۔ وہ سجدہ کہ جہاں انسان کبھی کبھی انتہائی کفر کے باوجود انتہائی عدوان کے باوجود ایک منزل محسوس کرتا ہے کہ کوئی ہے میرا پیدا کرنے والا، کوئی ہے میرا خالق، اور سجدہ، سجدۂ بے اختیار۔ فرعون نے موسیٰ سے بحث کی۔ "وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ"

(ربّ العالمین کیا چیز ہے)

موسیٰ نے بتلایا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا اِنْ کُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۔ (سورۂ شعرا ۲۴)

(اگر تم یقین کرو تو (سنو!) وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے)

فرعون نے اپنے دربار والوں سے کہا: سنتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ بے اختیار (فوراً) موسیٰ نے کہا۔ "رَبُّکُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۔" (فرقان آیت ۲۶) (جو تمھارا رب ہے اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔)

اہلِ دربار نے کہا کہ یہ تو مجنون ہو گیا ہے۔
مگر موسیٰ رُکتے نہیں ہیں رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (سورہ شعرا آیت ۲۸)

وہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی رب ہے اگر تم یقین کرو

اُس نے کہا کہ ہم تم کو سزا دیں گے اور تجویز قرار پائی کہ جادوگروں کو بلایا جائے تاکہ وہ اپنے سحر سے موسیٰ کو شکست دیں۔ جادوگر جمع ہوئے

فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ"

"پس موسیٰ نے اپنے عصا کو پھینک دیا۔"

اور جیسے جیسے ان جادوگروں کی رسیاں سانپ بنتی جا رہی تھیں موسیٰ کا عصا اُن سب کو نگلتا جا رہا تھا۔

اِس کیفیت کو دیکھ کر " فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝ "

پس جادوگر سجدے میں گر پڑے (سورہ شعرا ۴۶)

اور بے ساختہ کہا " آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ " (شعرا ۴۷)

ہم عالمین کے رب پر ایمان لائے کون عالمین کا رب۔

نسبت بھی چاہیے تھی۔ کہا " رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ " (شعرا ۴۸)

ہم موسیٰ و ہارون کے رب پر ایمان لائے۔

فرعون نے بگڑ کر کہا کہ " آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ

تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے ہو (شعرا ۴۹)

وو لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ (شعرا ۴۹)

یقیناً اب میں تمھارے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمتوں سے کاٹوں گا یعنی سیدھا ہاتھ بایاں پاؤں اور بایاں ہاتھ سیدھا پاؤں۔ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ

اور تم سب کو صلیب (سولی) پر لٹکا دوں گا

چونکہ وہ سجدہ کر چکے تھے اور سجدے کی طاقت یہ تھی کہ بے اختیار کہنے لگے " لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۝ " (سورہ شعرا ۵۰)

اب ہم کو ڈر نہیں، ہم اپنے رب کی طرف منقلب ہونے والے ہیں

یہ سجدے کی طاقت تھی کہ جو پیشانی سجدے میں جھک پڑتی ہے، وہ غیر حق سے اور غیر معبود سے پھر کسی منزل پر اپنی عاجزی یا اپنی تواضع کا اظہار نہیں کرتی، بلکہ اس میں ایک ایسی قوت آتی ہے جو فرعون کی ساری سزاؤں کے اعلان کے بعد بھی اُس کے جادوگر کہتے ہیں کہ ہم تو منقلب ہو گئے۔

سجدہ بدل دیتا ہے ہستی کو، سجدہ بدل دیتا ہے فطرت کو۔ سجدہ منقلب کر دیتا ہے، سجدہ انبیاء کے گروہ نے کیا، سجدہ اولیاء کے گروہ نے کیا، سجدہ اُنھوں نے کیا جنھوں نے رحمٰن کو رحمٰن مانا۔

پھر اس منزل پر پیغمبر کو سورہ شعراء میں حکم ہے کہ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝ (سورہ شعرا آیت ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹)

تو اپنے رب پر بھروسہ کر کہ جو تجھے قیام کی حالت میں دیکھتا ہے، جہاں بھی تو کھڑا ہوتا ہے، جب تو بدل بدل کر سجدہ کرنے لگتا ہے۔

اس کی تفسیر امام فخر الدین رازی نے کی کہ تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ کہ تو ساجدین میں کروٹیں لے رہا تھا۔

تو انھوں نے کہا کہ آباء پیغمبر ہیں، یہ اجداد پیغمبر ہیں جو سب کے سب سجدہ کرنے والے تھے۔ جو سب کے سب رحمٰن کو رحمٰن ماننے والے تھے۔ جو سب کے سب رب العالمین کو رب العالمین جاننے والے تھے۔ پیغمبر کے آباء و اجداد ساجدین میں تھے

اور وہ جن کو پیغمبرؐ نے ادب سکھلایا، اُن کا یہ عالم ہے کہ جب قرآن نے ان کا قصیدہ شروع کیا تو آواز دی "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (سورہ توبہ آیت ۱۱۱)

اللہ نے صاحبانِ ایمان سے ان کے نفوس کو اور ان کے اموال کو خرید لیا ہے یہ کہہ کر کہ ابدی نعمتیں (جنت) دیں گے

"یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ"

اللہ کی راہ میں قتل کرتے ہیں قتال کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں

"وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ"

یہ وعدہ حق ہے۔ توراۃ میں اور انجیل میں اور قرآن میں

"وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ" اور اللہ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہے

"فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ؕ وَ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (توبہ آیت ۱۱۱)

اور سنو! یہ تمہارے لیے فوزِ عظیم ہے اس سودے پر ناز کرو

کون ہیں قتل ہونے والے یہ قتل کرنے والے نفسوں کو بیچنے والے یہ کون ہیں:

"اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ" یہ توبہ کرنے والے، یہ روزہ رکھنے والے عبادت گذار، یہ حمد کرنے والے، یہ سجدہ کرنے والے۔

"الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (سورہ توبہ آیت ۱۱۲)

یہ حکم دینے والے نیکیوں کے، منکر (برائیوں) سے روکنے والے، یہ حدودِ الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں، ان صاحبانِ ایمان کو خوشخبری دے دو۔

آپ نے دیکھا کہ یہاں بھی سجدے کی منزل تائبین کے بعد ہے، عابدین کے بعد ہے، حامدین کے بعد ہے، سائحین کے بعد ہے، راکعین کے بعد ہے، آخری منزلِ عمل ساجدون ہے۔

سجدہ انتہائے بندگی، سجدہ خلاصۂ بندگی ہے، سجدہ انتہائے زندگی اور سجدہ وہ کہ جہاں انسان اگر صحیح معنی میں یہ طے کرلے کہ ہم اپنے رہنے کے مقامات میں ایک ایسی مخصوص جگہ بنائیں گے، جہاں ہر حال، اور ہر لحظ، جب دل چاہے ایک سجدہ بے اختیار (بلا تامل) ہو جائے۔ دعا کی، اور کچھ پڑھنے کی اور تسبیح پڑھنے کی اور تسبیح کو بتلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ سجدہ ہو، دل تڑپ جائے کہ خالق! تیرا شکر ہے کہ سجدے کا موقع ملا، سجدے کی حقیقت کو جانو، سجدے کو سمجھو، تاکہ دل بے چین ہو، دل میں اضطرار کی کیفیت ہو، اور انسان چاہے کہ یہ پیشانی خاک پر رکھ دی جائے۔ ممکن ہے کہ دنیا اس کو دیوانہ ہی سمجھے کہ یہ بار بار سجدہ کرتا ہے۔ مگر ان کو کیا معلوم کہ ساجدین کا سردار کون ہے؟ کیا معلوم کہ عابدین کا سردار کون ہے؟ ان کو کیا معلوم کہ سجدہ کرنا کتنی بڑی نعمت ہے۔ مقامِ رکوع عظمتِ الٰہی کا تصور ہے مقامِ سجود، علوِّ الٰہی کا تصور ہے، وہاں سبحان ربی العظیم کہہ کے آگے بڑھ گئے، یہاں سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر سر رکھ دیا۔ علو ہے علو ہے۔ مالک تیرے لیے علو ہے اور میری پستی کو تو جانتا ہے اور اس طرح مقامِ تضرع میں جب کسی نے سجدہ کیا تو پھر اس کی حقیقت نہ پوچھو۔

آپ کو معلوم ہے کہ پہلا جھگڑا تو اس سجدہ کا ہوا تھا نا، اور پھر رسولؐ کو یہ کہنا پڑا کہ "مَا کَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ (سورہ ص ۶۹) میں نہیں جانتا تھا کہ ملاءِ اعلیٰ میں کیا ہنگامہ تھا۔ مجھے وحی آئی کہ "اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ

مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ”۝ (سورہ ص ۷۲)

میں ایک بشر کو مٹی سے بنا رہا ہوں اور جب میں اس میں اپنی روح ڈال دوں تو تم سب کے سب اس کے سامنے سجدے میں گر جانا

” فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۝

(سورہ ص آیت ۷۳ ۔ ۷۴)

تمام ملائکہ نے سجدہ کیا ، مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا

آغازِ حیات ہی سے انسان کا جھگڑا ہے ۔ اُس نے سجدہ نہیں کیا ۔ اور جب اس سے پوچھا گیا کہ : ” مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ

(سورہ ص ۷۵)

کس چیز نے تجھ کو اس کے سجدے سے منع کیا ، میں نے اس کو اپنی قدرتِ کاملہ سے بنایا (خلق کیا) تھا ۔

اُس نے یہ جواب نہیں دیا کہ تجھ کو ایک مان کر دوسرے کو سجدہ کیسے کروں ۔ بلکہ اُس نے جواب دیا کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ “

مجھے تو نے آگ سے خلق کیا ہے اور اس کو مٹی سے (سورہ ص ۷۶)

میں نے اپنے آپ کو اس سے بہتر جان کر سجدہ نہیں کیا ۔

آواز آئی : ” فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝ (ص آیت ۷۷)

نکل جا یہاں سے کہ بلاشبہ تو راندۂ بارگاہ ہے

سجدے کے بارے میں یہ جھگڑا تھا ۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا ۔

بتلاتا یہ تھا کہ ایک منزلِ احترام ہے کہ جہاں ہم یہ چاہتے ہیں کہ جہاں جس کسی کے احترام کو ظاہر کرے ، دنیا کی پیشانیوں کو وہاں خم کر دے ۔ اور ظاہر ہے کہ ہم نے حکم دیا تھا سجدے کا کسی اور نے نہیں دیا تھا ۔ ہم چاہتے تھے سجدہ ۔

علامہ اقبال کے شعر دیکھیں ۔

اِس طرح سے یہ جھگڑا روزِ اوّل ہی سے چلا آ رہا ہے ۔ اور پھر ایک ایک نبی کا یہ شعار بن گیا کہ ہم سجدے سے کبھی روگردانی نہیں کریں گے ۔ کبھی نہیں ہٹیں گے ۔ سجدہ کرنے والوں کو ہم نے دیکھا سجدہ کرنے والی کیفیتوں سے ہم دوچار ہوئے ۔ بہرحال ہم اس منزل پر آ گئے جہاں اقبال کہتے ہیں :

آنکہ زیرِ تیغ گوید لا اِلٰہ

آنکہ از خونش بروید لا اِلٰہ

وہ جو تیغ کے نیچے لا الٰہ کہے اور وہ جس کے خون سے لا الٰہ نمو پائے لا الٰہ کا نمو اس کے خون سے ہو ۔

پھر کہتے ہیں : آنکہ بخشد بے یقیناں را یقیں

آنکہ لرزد از سجودِ اُو زمیں

وہ بے یقینوں کو یقین دینے والا ہے وہ جس کے سجدے سے زمین کانپ گئی ۔ میر تقی میر نے دفترِ چہارم میں کس شان سے گفتگو کی ہے کہا کہ :

شیخ پڑے محراب حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہیں

سجدہ ایک اُس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

تو یہ ہے وہ سجدے کا مقام جہاں صحیح معنی میں بندگی کا ادب سکھلایا گیا ۔ جہاں یہ بتلایا گیا رازِ عبادت کیا ہے ۔

بہرحال اگر ذہن میں رہے اور پیغام کی حفاظت کی جائے تو تڑپ کر ایک ہی سجدہ حالتِ اضطرار میں کر لیا جائے ۔ صرف ایک سجدہ ۔

پہلی آسمانی وحی : اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ : اور آخری آیتِ سجدہ اِس سورے کی جس پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے جہاں کہا گیا کہ یہ انسان باغی ہو گیا ہے : کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ۝

جب انسان کا پیٹ بھر جاتا ہے تو وہ بغاوت کرتا ہے:

" كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ

سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ باز نہ آئے گا تو ہم اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر کھینچ لیں گے " نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ

(اُس پیشانی سے جو جھوٹی اور خطاکار ہے)

" فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ " سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ (سورۂ علق)

وہ اپنے دوستوں کو پکارے ، ہم بھی جہنم کے شعلوں کو آواز دیں گے

لَا تُطِعْهُ : خبردار ! اس کی اطاعت نہ کرنا۔

آخر کے دو لفظ (اس آیت کے) اگر میں پڑھتا ہوں تو سجدہ واجب ہو جائے گا۔ صرف اس کے ترجمے پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہ: " خبردار ! اس کی اطاعت نہ کرنا، سجدہ کر کے مجھ سے تقرب حاصل کر (مجھ سے مل جا)

پیغمبرؐ کو وحی میں یہ نسخہ بتلایا حسینؑ نے آخری سانس تک اس پر عمل کیا یعنی اطاعت نہیں کریں گے، بلکہ تقرب کے لیے سجدہ "كَلَّا ۗ لَا تُطِعْهُ" خبردار ! اس کی اطاعت نہ کرنا، سجدہ کرنا اور قرب پالینا، اور اس شان سے کہ کوئی سجدہ کرنے والا، یا جہاں کائنات لرز جائے۔ ایسا سجدہ۔

سجدے کی تیاری کے لیے قیام ختم ہوا، رکوع ختم ہوا، سجدے کی تیاری کے لیے کائنات کو چھوڑ رہا ہے۔ بیٹا نہیں، بھائی نہیں، بھتیجے نہیں، بھانجے نہیں، اب گھر نہیں، اہلِ حرم نہیں۔ نہیں نہیں بلکہ میں بھی نہیں۔ اب میں اور میرا معبود۔ یہ بھی سجدے کی منزل ہے۔ یہ ہے سجدے کا مقام، کس شان سے سجدہ حسینؑ کو منظور ہے۔ کس شان سے سجدہ میرے آقا و مولا حسینؑ کو منظور ہے۔ یہ پیغمبرؐ کا نواسہ ہے۔ اس نے اپنے نانا کو بھی سجدے میں دیکھا ہے۔ بہت نزدیک سے دیکھا ہے

کاندھے پر سوار ہو کر دیکھا ہے۔ حسینؑ کو معلوم ہے سجدے کا اخلاص، اور اخلاصِ بندگی کیا ہے اُس سجدے کی تیاری میں سب کچھ چھوڑ کر چلے: اور آواز دی: یَا زَیْنَبُ یَا اُمِّ کُلْثُوْمُ یَا رُقَیَّۃُ یَا سُکَیْنَۃُ عَلَیْکُنَّ مِنِّی السَّلَام۔ تم سب پر میرا اسلام، سب کو رخصت کیا، سوار ہوئے، مقتل میں آگئے۔ ہائے وہ دسویں محرم کی نمازِ عصر۔ نمازِ ظہر کا وقت ختم ہو چکا، عصر کی تیاری ہے۔ حسینؑ آخری سجدے کے لیے بے چین ہیں۔ کچھ دیر تو حملہ کیا، خوب لڑے فاتحِ خیبر کا لال تھا، کیسے نہ لڑتا۔ ایک مرتبہ لاشِ پسر نظر آئی کہا

تم نے نہ دیکھی جنگِ پدر اے پدر کی جاں !

اس کے بعد تلوار کو روک لیا۔ زخمی ہوتے چلے گئے۔ ذوالجناح کی گردن میں ہاتھ ڈالے کربلا کے میدان میں کون بین کرے، کون فریاد کرے۔ محمدؐ کی بیٹی چیختی ہوئی کہہ رہی تھی کہ: زینبؑ نکل ! کبھی کہہ رہی تھی کہ:

جنگل سے آئی فاطمہؑ زہرا کی یہ صدا
اُمّت نے مجھ کو لوٹ لیا" وا محمدا

اس وقت کون حق رفاقت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا

اُنّیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینبؑ نکل ! حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

اے ارضِ کربلا میرا بچہ ہے بے گناہ
اے دشتِ نینوا میرا بچہ ہے بے گناہ

اے نہرِ علقمہ ! میرا بچہ ہے بے گناہ
اے دہرِ بے وفا میرا بچہ ہے بے گنا

گھیرا ہے ظالموں نے میرے نورِ عین کو
اے ذوالفقار تجھ سے میں لوں گی حسینؑ کو

حسینؑ ابنِ علیؑ پشتِ ذوالجناح پر جھک رہے تھے۔ دو ہاتھ کانپتے ہوئے نکلے زمین سے۔ ایسے میں حسینؑ ابنِ علیؑ زمین پر آئے۔ اور آتے ہی وعدۂ طفلی یاد آیا۔ انبیاءؑ کی سیرت تھی۔ وہ وارثِ آدمؑ تھے۔ وارثِ نوحؑ و ابراہیمؑ تھے۔ وہ وارثِ موسیٰؑ و عیسیٰؑ تھے، وہ وارثِ محمدؐ تھے، وہ وارثِ علیؑ تھے۔ گرتے ہی سجدہ کیا۔ یہی سجدہ ہے جسے اقبالؔ نے بھی ذکر کیا۔ یہی سجدہ ہے جسے سارے شعرا نے بھی ذکر کیا یہی سجدہ ہے کہ جلتی ریت پر پیشانی کو رکھ کر آواز دی " رِضًا بِقَضَائِہٖ وَتَسْلِیمًا لِاَمْرِہٖ ۔ " میں تیری قضا پر راضی ہوں اور تیرے امر کو تسلیم کرتا ہوں۔ وَصَبْرًا عَلٰی بَلَائِکَ اور تیرے امتحان پر صبر کرتا ہوں۔ لَا مَعْبُوْدَ سِوَاکَ، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ۔ اور آخر میں سجدے میں ایک دعا کی اور عجیب دعا کی کہ: پروردگارا! میں نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ اب تو اپنے وعدے کو پورا کر۔"

سجدہ ختم ہوا۔ سر نہیں اٹھایا گیا۔ کربلا کے میدان میں شام ہوئی، ہائے شامِ غریباںؑ ایسے موقع پر بہن بھی آئیں، بھائی کو سلام کیا۔ رخصت ہو گئیں مگر سکینہؑ کہہ چکی تھیں کہ۔ میں رات کو مقتل میں چلی آؤں گی بابا

جب خیمے جل چکے تو زینبؑ نے بچوں کو گننا شروع کیا۔ تو دیکھا کہ سکینہؑ نہیں ہے۔ ایک مرتبہ جلے ہوئے خیموں میں ڈھونڈتی رہی۔ عابدؑ بیمار سے پوچھا ام کلثومؑ سے پوچھا۔ ایک ایک بی بی سے پوچھا کہ سکینہؑ تو نہیں ہے۔

کسی نے جواب نہیں دیا۔ ہر طرف آواز دی۔ ہر طرف ڈھونڈتے ہوئے پھر رہی۔ جب کہیں سے کوئی جواب نہ آیا، تو دریا کی طرف گئیں، آواز دی۔ عباسؑ! سکینہؑ نہیں ہے۔

کوئی جواب نہیں آیا۔ جلدی جلدی قتل گاہ میں آئیں۔ کہا۔ بھائیؑ! کیا

سکینہؑ یہاں آئی ہے؟

آواز آئی، زینبؑ! آہستہ بولو، سکینہؑ ابھی ابھی سوئی ہے۔ سکینہؑ سینے پر سو رہی ہے۔

زینبؑ نے جا کر سکینہؑ کا بازو تھاما اور کہا۔ اُٹھو سکینہؑ اس طرح سے راتوں کو کوئی گھر چھوڑ کر نہیں جاتا۔

کہا۔ پھوپی اماں! میرے بابا بھی تو اکیلے سو رہے ہیں، ان کو تنہا نہیں چھوڑوں گی۔

اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۔

یقین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝
فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ کُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ ۝
وَ اعۡبُدۡ رَبَّکَ حَتّٰی یَاۡتِیَکَ الۡیَقِیۡنُ ۝

(سورۃ الحجر آیت ۹۸، ۹۹)

سورۂ حجر کلام مجید کا پندرھواں سورہ ہے۔ یہ سورے کی آخری آیتیں ہیں اور آخری آیت کا آخری لفظ میرا موضوع ہے یعنی "یقین"۔

عبادت کا کمال سجدہ ہے اور سجدہ اس طرح سے مسلسل رہے، اس طرح سے باخلوص رہے اور عبادت کی اس طرح سے روح بن جائے

ارشاد ہوتا ہے "اتنی عبادت کر اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔"

پھر ذہن میں یاد رکھیے۔ "اپنے رب کے نام کی تسبیح کر، اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا، اور اپنے رب کی اتنی اطاعت کر، اتنی عبادت کر کہ تجھے یقین آجائے۔"

یقین کی منزل علم کا وہ کمال ہے جہاں غیب، شہود سے بدل جائے۔

جہاں غیب ،غیب نہ رہے حضور بن جائے ، اب اگر علم یہ مشاہدہ دنیا میں عطا کردے تو وہ یقین اور اگر موت اس مشاہدہ کو مہیا کرے تو وہ موت یقین ہے اس لیے تفسیر میں یقین کے دونوں معنی لیے گئے ہیں۔ کہ اتنی عبادت کرکہ علم مشاہدہ کی منزل پر آجائے یا موت آجائے۔ اس لیے کہ موت قفس کے دروازے کو کھول دیتی ہے روح کو آزاد کردیتی ہے ، ماورائے حجاب اشیاء کو سامنے لاتی ہے اور انسان کو ہر شے سے آگاہ کردیتی ہے جس سے وہ یہاں بے خبر تھا۔

اتنی عبادت کرکہ یقین آجائے۔ یقین بڑی دولت ہے۔ یعنی اگر یقین کو سمجھنا ہو، تو ضد کو سمجھو ، کہ شک کیا ہے۔ عنوان کی اہمیت کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ کتابِ الہٰی قانونِ ربانی ، کہ جو ہمارے لیے قیامت تک دستورِ حیات ہے۔ وہ اس طرح سے شروع نہیں ہوتا ، کہ یہ رحمت کی کتاب ہے۔ یا یہ علم کی کتاب ہے یہ معرفت کی کتاب ہے ، یہ حکمت کی کتاب ہے۔ بلکہ شروع کیا جاتا ہے اس کتاب کو اس طرح سے " ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ " یہ وہ کتاب ہے جس میں شک نہیں ہے۔ ریب نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا اس کی اہمیت کو۔ ؟ اور عجیب بات یہ ہے اگر قرآن کا یہ دوسرا سورہ ، سورۂ بقرہ جو سورۂ حمد کے بعد ہی شروع ہوتا ہے اس کا جو ابتدائی حصہ ہے وہ صاحبانِ ایمان کی تعریف میں ہے۔ اس کے بعد کافروں کی تعریف ہے ، اس کے بعد اُن لوگوں کی تعریف ہے جو کبھی کفار کے پاس جاتے ہیں ، کبھی مسلمانوں کے پاس جاتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ کبھی اُن کی باتیں سُنیں ، کبھی اِن کی باتیں سُنیں۔ تو نوعِ انسانی کی تقسیم کی گئی ہے۔ آغازِ قرآن میں ، مگر جب مومنین کا تذکرہ کیا ، اور کہا :

" لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ اور پھر یقین وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ

یہی لوگ ہیں جن کے لیے یہ کتاب ہدایت بن کر آئی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں ، نماز کا قیام ان کا فریضہ ہے اور پھر جو کچھ رزق ہم نے دیا ہے اس میں انفاق کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں ، جو کچھ تجھ پر نازل ہوا تجھ سے قبل ہم نے نازل کیا۔ اور اب آیت یہاں پر ختم ہوئی۔ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ

انجامِ عمل پر ، انجامِ کار پر ، آخرت پر ، نتیجہ پر ، انتہا پر ، نظر نہیں یقین ہے۔

اب آپ نے دیکھا کہ کلامِ ربانی کا آغاز ہی یہ ہے کہ شک نہیں ، اس کتاب پر ، اور ایمان کا کمال یہ ہے کہ یقین کی منزل پر پہنچے تو سجدے کے بعد جو منزل حاصل ہوتی ہے۔ وہ بجز یقین کچھ نہیں۔ اب اس طرح سے آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو قرآن کریم میں مختلف مقامات پر یقین سے گفتگو کی گئی ہے۔ کہیں عین الیقین پر گفتگو ہے۔ کسی مقام پر یہ بتلایا کہ کس طرح سے انسان منازلِ یقین کو طے کرتا ہے۔

مختصر سے وقت میں ایک ذرا سا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ قرآن کو بیان سے ملا کر قرآن نے ۲۸ مقامات پر یقین پر گفتگو کی ہے۔ اور اس طرح سے کلامِ معصوم نے جو صراحت کی میں اس کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔

ارشاد فرماتے ہیں ، سنو ! وہ یہ ہے ! کہ : علم اور یقین یہ بڑی دولتیں ہیں۔ اور اس طرح کی دولتیں ہیں کہ ، اِذَا عَلِمْتُمْ فَاعْمَلُوْا (اگر علم ہے تو عمل کرو) وَاِذَا تَيَقَّنْتُمْ فَاَقْدِمُوْا (اگر یقین ہے تو اقدام کرو) یہ علم اور یقین کی منزل ہے۔ " لَا تَجْعَلُوْا عِلْمَكُمْ جَهْلًا وَيَقِيْنَكُمْ شَكًّا "

خبردار ! اپنے علم کو جہل سے نہ بدلو ، اور اپنے یقین کو شک میں تبدیل نہ کردو

علم اپنی منزل پر ہے۔ علم کی ضد شک نہیں۔ علم کی ضد جہل ہے یقین کی ضد شک ہے، اور جہاں شک آجائے اور شک پر شک آئے اور مسلسل شک آئے تو پھر وہ بیماری ہے۔ دل کی بیماری ہے، روح کی بیماری ہے۔

جسم کی چھ حالتیں ہیں: جسم خوابیدہ ہے یا بیدار، جسم مُردہ ہے یا زندہ جسم صحت مند ہے یا بیمار۔

بالکل اسی طرح روح کی چھ حالتیں ہیں: روح کی زندگی علم ہے۔ روح کی موت جہل ہے، روح کے لیے نیند غفلت ہے۔ روح کے لیے بیداری انتباہ ہے۔ تنبیہ کرتے جانا ہے کہ ہاں ہوشیار۔ اور روح کی بیماری شک ہے، روح کی صحت یقین ہے صحتِ روح یقین، اور جب انسان کو یہ دولت مل جاتی ہے تو روح اپنی صحت کے ساتھ قلب کی بیماریوں کو دور کرکے، اپنے آپ کو معرفت کی راہوں میں پاتا ہے

ارشاد فرمایا کہ ایمان کے لیے لازم ہے کہ صبر و یقین، عدل و جہاد۔ یقین کی چار حالتیں۔ ایک تبصرۃ الفطنۃ، یعنی زیرکی میں ڈوبا ہوا، عقلمندی ہی عقلمندی ہو یقین کی پہلی حالت۔ دوسری حالت تاَوّلِ الحکمۃ۔ جب عقلمندی میں ڈوب جائے تو حکمت کے موتی لائے۔ تیسری حالت تبصرۃ الموعظۃ، کہ برابر دنیا کو دیکھتا جائے اور عبرت حاصل کرتا جائے۔ صاحبِ یقین عبرت حاصل کرتا جائے۔ چوتھے سنتِ ماضیین جانے والوں پر نظر رہے کہ اُن کے یقین کا کیا عالم ہے۔ اِس لیے کہ ہمارا مستقبل ہمارے ماضی سے کٹا ہوا نہیں ہے۔ ماضی سے کٹ کے جی نہیں سکتے ہیں۔ ہم اپنے یقین کو اسی یقین سے ملانا چاہتے ہیں۔

"اگر حجاب ہائے آسمانی میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیے جائیں تو یقین کی منزل سے ہم ہٹیں گے ہی نہیں۔ جو یقین میرا اِس وقت ہے اُس سے آگے نہیں بڑھے گا۔ تو یہ ہے ماضیین کا تذکرہ۔"

بیٹے کو وصیت کی یعنی امام حسن علیہ السلام کو صفین سے واپسی پر وصیت نامہ لکھا، اس میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"بیٹا! اپنے دل کی زندگی چاہتے ہو تو ہمیشہ اس دل کو نصیحت کرتے رہو اور زُہد کی باتیں سنا کرو۔ اسے گوشہ نشین رکھو۔ اس کو کسی ایک مقام پر سکون سے رہنے دو۔ دل کو نورِ حکمت دو اور اس کو یقین سے قوت عطا کرو"

دیکھا آپ نے! دل کی قوت یقین ہے۔ روح کی صحت یقین ہے۔ علم کا کمال یقین ہے۔ غیب کو شہود میں بدلنا یقین ہی سے ممکن ہے اور یہ اس طرح سے نہیں آتا کہ انسان فلسفیانہ افکار میں اپنے آپ کو مبتلا کرکے یقین کو ڈھونڈے نہیں۔ یہ یقین آتا ہے کہ اپنے رب کی اتنی عبادت کر، کہ یقین آجائے۔ اگر تھوڑی سی توجہ اور دی جائے اس بیان پر تو ارشاد ہوا:

"علم و معرفتِ الٰہی کا مدار کچھ مسائل پر ہے۔ عارفوں کی باتیں عارفوں کی زندگی تین اصولوں پر قائم ہے۔ یا خوف پر، یا اُمید پر یا محبت پر۔

عارفوں کی باتوں کی بنیادیں تین امور پر ہیں: یا خوف ہے یا اُمید ہے یا محبت ہے۔

پھر ارشاد فرمایا، خوف نہیں پیدا ہوتا جب تک کہ علم نہ ہو۔ اِس لیے قرآن نے کہہ دیا۔ "اللہ سے ڈرنے والے وہی ہیں جو صاحبانِ علم ہیں" خوف ضروری ہے انسان کے دل میں، مگر اللہ کے لیے یہ خوف ہو۔ اور خوف پیدا نہیں ہوتا جب تک علم نہ ہو۔

اور اس کے بعد ارشاد ہوا۔ "اُمید بنتی کیسے ہے۔ گر یقین نہ ہو تو کوئی اُمید نہ باندھے۔ جس کی ذات میں یقین ہوتا ہے اسی سے اُمیدیں بھی

وابستہ ہوتی ہیں، جس کی ذات پر یقین نہیں ہوتا اُس سے اُمیدیں وابستہ نہیں ہوتیں
اِس لیے کہ لازم ہے اُمید کا طلب اور طلب کسی ایسے سے نہ ہو کہ جو خالی ہاتھ لوٹا دے
اِس مقام پر ثاقب لکھنوی مرحوم نے کہا تھا۔

؎ صدائے دل مگر نقشِ قدم کو دیکھ کر
ایسے بھی در ہیں کبھی جن پر کوئی سائل نہ تھا

تو اُمید وہیں ہے کہ جہاں انسان اپنی طلب کے لیے آگے بڑھے اور طلب اسی وقت ممکن ہے کہ جہاں انسان کو یقین آجائے کہ جس سے مانگ رہا ہوں اُس میں صلاحیت بھی ہے۔

اس لیے فرمایا کہ "اپنے رب کی عبادت کر، رب سے بڑھ کر کون ہے ؟ یہاں تک کہ تجھے یقین آجائے، تاکہ رجا معبودِ حقیقی سے ہو۔ طلب اُسی کی بارگاہ سے ہو۔"

سو آپ نے دیکھا" یہ خوف ہے، یہ رجا ہے کہ جہاں انسان اپنے آپ کو عارفین میں شامل کرتا ہے۔

تیسری منزل' خوف فرعِ علم ہے، رجا، فرعِ یقین ہے، محبت فرعِ معرفت ہے۔ معرفت نہیں تو محبت نہیں۔ یقین نہیں تو امید نہیں، علم نہیں تو خوفِ خدا نہیں۔

تو یہ منزل ہے یقین کی کہ جہاں انسان اپنے آپ کو ایک ایسی راہ پر پاتا ہے کہ جہاں اگر یہ یقین مٹ جائے تو پھر سامنا ہے شک کا اور شک کی حالت یہ ہے کہ اس میں تماری ہے، تردد ہے، ہول ہے، فرار ہے۔ یہ چار باتیں۔

تماری' یعنی بیکار، بے موقع، بے محل گفت و شنید۔ شک اگر ہے تو یہ ہی باتیں ہیں۔ دوسرے، اگر شک ہے تو ہر آن ہول ہے۔

دیکھیے ! وہاں لفظ خوف' استعمال کیا' یہاں لفظ ہول استعمال

کیا۔ خوف کچھ اور ہے' ہول کچھ اور ہے۔ محبت کی منزل پر خوف ہے اور جہاں انسان اپنی جان کی حفاظت کے لیے دن رات پریشان ہو' وہ ہول ہے خوف نہیں۔ ہول سے تماری ہے اِس کا لازمی نتیجہ تردّد ہے۔ آگے بڑھوں' نہ بڑھوں۔ پیچھے ہٹوں کہاں جاؤں ! جہاں شک پیدا ہوا' تردد پیدا ہوا۔ جہاں تردد آیا نتیجہ یہ کہ حق کی راہ میں آگے بڑھنا ممکن نہیں بجز فرار کے' جہاں فرار پاؤ تو سمجھو کہ یقین مٹ گیا۔ جہاں حق سے فرار ہے سمجھو کہ یقین نہیں ہے۔

آپ نے جب ان منازل کو طے کیا تو یقیناً آپ کو علم ہو چکا ہوگا کہ انبیاؑ کو اللہ نے یقین کی دولت عطا کی اور اس منزل پر جو قابلِ ذکر دولت ہے جس کو قرآن مجید نے بہت ہی خاص انداز میں بیان کیا ہے:

"ہم نے ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کا ہولڈ hold بتلایا' کنٹرول بتلا دیا' ارتباط بتلا دیا' کائنات کا تعلق باہمی بتلایا اور یہ بتلایا کہ اس کا ارتباط و اقتدار کس کے ہاتھ میں ہے۔ فقط اس لیے کہ ابراہیمؑ کے دل میں یقین پیدا ہو۔ نبیؑ اولوالعزم ہشیخ الانبیاء، صاحبِ شریعت' خلعت و ورع' نبوّت و رسالت و امامت کی منزل پر فائز ہیں، جن کے لیے خطاب ان کے لیے ارشاد ہوا:

"ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کے ملکوت دکھا دیئے تاکہ وہ یقین کی منزل پر آجائے یہاں یقین موت نہیں ہے۔ بلکہ قلب ابراہیمؑ میں وہ محکم روح پیدا ہو جائے کہ اندازہ ہو سب کا مالک تو وہی ہے۔"

اب اگر نمرود یہ کہے کہ بہت بڑا مکان بناؤ' چہار دیواری بناؤ۔ اس میں آگ بھر دو' اِس کو آگ میں ڈال دو۔ تو یقینِ ابراہیمؑ متزلزل نہیں ہوتا جس کو یقین ہوتا ہے وہی آگ میں جا کر محفوظ رہ سکتا ہے۔

نمرود نے حکم دیا۔ اس کو آگ میں ڈال دو۔

اور پھر یہاں یقین کا یہ عالم کہ جہاں یہ کہا گیا کہ حقیقت میں یقین جانِ قلیل

آتش نشین ہے کہ وہ روحِ خلیل ہے آگ میں بیٹھنے والا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ میر
نے ملکوتِ سماوات والارض کو دیکھا ہے۔

آگ اِس نے جلائی ہے کہ نمرود اُس کا ہے ہولناک اُس کا ہے آواز
سے آتی ہے۔ تو یقین مثلِ خلیل آتش نشین ہے۔ اور یقین مثلِ خلیل آتش نشین
یقین اللہ مستی، خود گزینی، ایک کیف ہے، ایک مستی ہے، ایک سرور ہے یقین
جس کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جس کو اللہ نے یہ دولت دی ہے۔

سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار! "غلامی سے ہے بدتر بے یقینی"
ظاہر ہے کہ وہ کون مسلمان ہے جس نے صبح سے شام تک ایک آدھ مرتبہ
کسی سے یہ نہ سُنا ہو اور جس کو یہ آواز نہ پہنچائی جاتی ہو اقبال کی

"یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم"

یقینِ محکم نہ ہو تو عمل کس کام کا، اسی منزلِ یقین پر جب ابراہیمؑ کو وہ کما
عطا ہوا کہ آگ کی طرف چلے اور ملکوتِ سماوات والارض کو دیکھ کر اس کا یقین کر لیا
کہا جبرئیل ہٹ جاؤ، میرا خالق تم سے بہتر جانتا ہے کہ وہ کب میری مدد کرے۔
رب نے حکم دیا "اے آگ ٹھنڈی ہو جا سلامت رکھ ابراہیمؑ کو
اب میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف، اب وہی میری ہدایت کرے گا
ابراہیم! تمھارا رب کہاں نہیں ہے؟

یہ تین منزلیں ہیں آپ کی معرفت طلب نگاہوں اور دلوں کے لیے۔ یہ ا
مزید روشنی مہیا کرتے ہیں: اِنِّیْ ذَاھِبٌ میں جا رہا ہوں رب کی طرف۔ لیع
جہاں ہوں وہیں ہوں۔ مگر سفرِ کمال انسانیت کی منازل طے کر رہا ہوں۔ خیر کمال البشر
آگے بڑھ رہا ہوں، اور وہیں ہوں مجھے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قدم اُٹھا کے
دکھنا نہیں ہے۔ بیٹھو اور سفر کرو اپنی جگہ پر رہو اور ترقی کرو۔

پروردگار! تیری طرف آرہا ہوں۔

اب ایک بیٹا آتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں یقین کا عالم ہے یقین
ی دولتیں ہیں، ابراہیمؑ ضعیف ہیں، اور اولاد نہیں ہے، ابراہیمؑ کی بیوی ضعیفہ ہیں
ور اولاد نہیں ہے، مگر جانتے ہیں یقین اُس پر ہے پروردگار! مجھے ایک بیٹا عطا کر
کر۔ ابراہیم! اللہ کی طرف جانے میں اور بیٹے کے لیے دعا میں کیا ربط ہے؟ میں
جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف۔ مجھے بیٹا تو عطا کر تاکہ میرے یقین کا اور بھی امتحان ہو جائے
ب اس منزل پر رُکتا ہوں۔ امیر المومنینؑ یقین کی تعریف فرماتے ہیں۔

"اسلام تسلیم ہے۔ تسلیم یقین ہے۔ یقین نام ہے تصدیق کا،
تصدیق اعتراف ہے، اعتراف فرض کی بجا آوری ہے اور فرض کی
بجا آوری عمل کو کہتے ہیں۔"

تو اسلام نہیں ہے کہ گر تسلیم، تسلیم نہیں ہے مگر یقین۔ اور جہاں یقین آیا۔ تصدیق کی۔
جہاں یقین نہیں آیا تصدیق نہیں کی گئی۔

اس لیے کہا گیا ہے کہ عقل کو جو بہترین دولت دی گئی ہے وہ یقین کی دولت
ہے یعنی اس کا کام یہ ہے کہ وہ یقین کے ساتھ یہ پہچانے کہ اللہ پر سچ کون بول رہا ہے
اُس کی تصدیق کرے، اور اللہ پر جھوٹ کون بول رہا ہے اور تکذیب کرے۔ تصدیق و
تکذیب عقل کا کام ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ یقین ہو۔

اسلام نہیں ہے مگر یقین۔ صبح سے شام تک کوئی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ"
ہزاروں مرتبہ کہہ جائے مگر یقین نہ ہو تو ۔؟ اور صبح سے شام تک کوئی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ
اللہ کہے جائے اور اگر یقین نہ ہو تو کیا ہوگا۔ ایک مرتبہ کوئی یقین سے کہہ دے تو وہ
ہزاروں مرتبہ کی بے یقینی کے عالم میں کہنے سے بہتر ہے۔

اس لیے ارشاد فرمایا جناب امیر المومنین علیہ السلام نے:

"عمل القلیل بالیقین خیرٌ مِن کثیر العمل بلا یقین"

(یقین کے ساتھ عملِ قلیل کا انجام دینا اُس کثیر عمل سے کہیں
بہتر ہے جو بے یقینی کے عالم میں کیا جائے۔)

"عبادت کرنے کا شوق اگر شک کے ساتھ ہے، بے یقینی
کے ساتھ ہے تو اس سے یقین کے عالم میں سوجانا
بہتر ہے۔"

بے یقینی کی عبادت نہ تو اللہ کو پسند ہے، نہ فرشتے اس عبادت کو قبول کر کے لے جاتے ہیں اور نہ انبیاء کو یہ عبادت پسند ہے اُن کی اُمتوں کی کر بے یقینی میں عبادت کی گئی۔

تسلیم یقین ہے تو مجھے ایک بیٹا عطا کر۔

بیٹا عطا ہوا اور جب یہ بچہ اپنے باپ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اُس سے کہا۔ "بیٹے میں دیکھ رہا ہوں خواب میں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، تمھاری کیا رائے؟"

باپ نے خواب کا ذکر کیا بیٹے سے رائے پوچھی۔ باپ ہو تو ایسا ہو، اور بیٹا ہو تو ایسا ہو۔ یہ ابراہیمؑ کے گھرانے کی دولتِ یقین کہ جہاں بیٹے نے بے اختیار (فوراً) کہا "بابا! بجا لایئے، جو حکم آپ کو ملا ہے۔"

بیٹے نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے خواب دیکھا ہے۔ بیٹا خواب کو حکمِ الٰہی سمجھ رہا ہے۔ کہتا ہے کہ "انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ آپ حکم تو بجا لائیں۔"

باپ کے یقین کا یہ عالم کہ خواب کو حکمِ الٰہی جانے۔ اور بیٹا جس نے خواب نہیں دیکھا، باپ کی زبان سے سن رہا ہے، باپ پر اتنا یقین کہ میرا باپ غلطی نہیں

کر سکتا۔ ذبح کی منزل پر آئے۔ یہ وہ منزل تھی جب دونوں نے تسلیم کیا۔

"التسلیم ھو الیقین"

(ارشادِ الٰہی ہوا۔)

"ہم نے آواز دی۔ ابراہیمؑ نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو یہی صلہ دیتے ہیں۔ یہ کھلا امتحان ہے، ہم نے اسے ذبحِ عظیم سے بدل دیا ہے اور ہم نے چھوڑ دیا اسے آخر زمانے کے لیے۔ سلام ہو ہمارا ابراہیمؑ پر۔"

یہ یقین کی منزل ہے جہاں باپ خواب میں حکم پائے اور بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ بیٹا انکار نہ کرے اور کہے، ہاں آپ عمل کیجیے اس گھرانے سے اگر محمد عربی اس یقین کی دولت کو آگے لیکر بڑھتے ہیں اور اگر اپنے چھوٹے نواسے سے یہ کہتے ہیں کہ "میں تجھ سے ہوں" تو مجھے اس لیے حیرانی نہیں کہ قرآن نے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ "ابراہیمؑ سے قرب رکھنے والا وہ ہے جو ابراہیمؑ پر ایمان لائے۔"

یہ نبیؐ پانچ ہزار برس کے بعد آتے ہیں اور ابراہیمؑ کی منیّت میں جاتے ہیں انسانوں میں سب سے زیادہ قریب ابراہیمؑ سے وہ ہے جو اُن پر ایمان لائے۔ یا یہ نبیؐ۔ اور یہ نبیؐ کہتا ہے "تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔"

دیکھا آپ نے یہ یقین نسلاً بعد نسلٍ آیا اس گھرانے میں آیا۔ اب کیا ڈھونڈتے کہ ایمان کہاں تھا، کہاں نہ تھا، اسلام کہاں تھا، کہاں نہ تھا۔

یہ گھرانہ یقین کا گھرانہ، صدق و عدالت کا گھرانہ، اور اس گھرانے کی کیفیت ہی یہ ہے کہ جہاں بے یقینوں کو یقین عطا ہو۔

اسی منزل پر بیقرار ہو کر اقبال نے ایک عجیب فیصلہ کیا: ؎

"اُنکہ بخشد بے یقیناں را یقیں ✽ اُنکہ لرزد از سجودِ او زمیں"

وہ انسان جو بے یقینوں کو یقین عطا کرتا ہے۔ یہ وہ انسان ہے جس کے سجدہ سے زمین کانپتی ہے۔

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی تلوار کے سائے میں جس کا خون بہے تو اُس
کے خون کی بوند سے آواز آئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ وہ حسینؑ ہے
جو بے یقینوں کو یقین بخشتا ہے۔"

۲۸ رجب کو مدینے سے نکلے، ۲۷ کا دن گذرنے کے بعد روضۂ رسولؐ پر آئے، بڑے یقین سے آئے اور ایک مرتبہ روضۂ رسولؐ کو ہاتھ میں تھاما اور آسمان کی طرف سر اُٹھا کر کہا:

"پروردگارا! یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے۔ میں تیرے
نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ اب دیکھیے یقین کا عالم الٰہی! وہ
وقت آگیا ہے جس کا تجھ کو علم ہے۔"

یہ یقین ہی کی منزل ہے۔ ابنِ عباس نے حسینؑ سے پوچھا:

مولا! کہاں جائیں گے؟

کہا، عراق جاؤں گا۔

کہا مولا! دشمن بہت ہیں، بچے ساتھ ہیں۔

فرمایا، ابنِ عباس! حکمِ الٰہی یہی ہے۔

عرض کیا: بہنوں کو تو چھوڑتے جائیے۔

ناگاہ کسی بی بی کا ہاتھ پردۂ محمل پر پڑا اور آواز آئی۔ "ابنِ عباس! کیا تم بہن کو بھائی سے جدا کرنا چاہتے ہو؟"

ابنِ عباس نے مناسب نہیں جانا۔

آپؑ نے تسلی دی۔ "ابنِ عباس! میرے نانا کا حکم ہے"۔

اسماعیل اپنے پدر گرامی کا حکم لے رہے ہیں۔

حسینؑ ابنِ علیؑ کہتے ہیں نانا کا حکم ہے۔ اللہ نے بھی یہی چاہا

ہے کہ تم اُس کی راہ میں قتل ہو جاؤ

"یقین کی منزل ہے۔"

منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے تیسری شعبان کو مکۂ معظمہ سے چلے، منزلِ صعلبیہ پر پہنچے۔ بیٹے نے آکر سلام کیا۔ اور عرض کیا: بابا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ آپؑ کا بایاں ہاتھ کٹ گیا ہے، اور دایاں ہاتھ بھی کٹ گیا ہے، آپؑ کی کمر ٹوٹ گئی ہے۔

کہا، سچ ہے۔ وہ قاسمؑ ہیں جو قتل کیے جائیں گے، وہ عباسؑ ہیں جو مارے جائیں گے، میرے اعزا قتل کیے جائیں گے۔ میں کربلا کی طرف جا رہا ہوں۔

آہستہ سے کہا، بابا! وہ آپؑ کا سیدھا ہاتھ کون ہے؟

حسینؑ ابنِ علیؑ تیزی سے کھڑے ہوئے علی اکبرؑ کا ہاتھ تھاما، اور میدان کی طرف چلے اور کہا۔ "علی اکبرؑ! تمھاری ماں سن رہی ہیں، بیٹا آہستہ بولو۔ وہ سیدھا ہاتھ تم ہو میرے لال۔"

یقین کی منزل

تو علی اکبرؑ نے برجستہ کہا، بابا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟

ہم حق پر ہیں بیٹا۔!

"عرض کیا، جب ہم حق پر ہیں تو ہم کو موت پر ڈر کیا ہے۔"

وہ جس کو یقین کی منزل حاصل ہے، موت سے نہیں ڈرتا۔ اُس کو تیر و سنان و خنجر و شمشیر نہیں ڈرا سکتے، اس کو لشکروں کا ہجوم خائف نہیں کرتا۔ اس طرح سے میدانِ کربلا میں آئے۔ چوتھی سے لشکر پر لشکر آنے لگے حسینؑ کے خیمے دریا سے ہٹائے گئے، ساتویں سے پانی بند ہوا، آٹھویں اور نویں کو حسینؑ

لشکروں کی کثرت کی وجہ سے گھرتے چلے گئے۔ نویں محرم کو حسینؑ ابن علیؑ محصور ہو چکے تھے۔

اللہ! دسویں کا دن آیا قیامت کا دن تھا۔ ایک کے یقین نے ۷۲ کے دلوں میں یقین پیدا کر دیا۔ اب سب یقین کے عالم میں آگے بڑھتے۔ بھانجے گئے، بھتیجے گئے، اعزا گئے، احباب گئے، اٹھارہ برس کا لال گیا، بتیس ۳۲ برس کا بھائی گیا، اور اب میرے امام اکیلے رہ گئے۔ سر سے پاؤں تک زخمی تھے۔ خیمہ میں آئے سب کو خدا حافظ کہا۔ عابدِ بیمار کا بخار تھا۔ سورہ حمد کی تلاوت کی۔ بیمار نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا بابا زخمی ہیں۔ پوچھا بابا! کیا چچا مارے گئے؟ کہا۔ بیٹا! سب مارے گئے۔

بیمار نے کہا، بابا، مجھے اجازت دیجیے۔

"کہا نہیں بیٹا، نسلِ محمدؐ کو باقی رہنا ہے۔" خدا حافظ کہہ کر چلے۔ جاتے جاتے بہن سے صرف اتنا کہا کہ عابدِ بیمار کا خیال رکھنا، اور عابدِ بیمار تم سب کا خیال رکھیں گے، مگر زینبؑ بددعا نہ کرنا۔ یہ کہہ کر ایک مرتبہ خیمے کے قریب آئے گھوڑے کو آواز دی۔ کوئی ہے میری سواری کا لانے والا۔ گھوڑا اچھل کر آیا۔ بہن نے آگے بڑھ کر رکاب کو تھاما، حسینؑ گھوڑے پر آگے بڑھے، خیمے سے آگے بڑھے مگر گھوڑے نے چلنے سے انکار کر دیا۔

پوچھا، تو گھوڑے نے گردن کو جھکا لیا۔ دیکھا تو گھوڑے کے پاؤں سے سکینہ لپٹی ہیں۔ اس منزل پر بیٹی کو رخصت کیا کہا "سکینہ نہ رو بیٹے۔ شاید کہ میں پانی لا سکوں۔"

سکینہ نے صرف اتنا کہا۔ "چچا عباسؑ بھی یہی کہہ کر گئے تھے۔"

حسینؑ گئے کربلا کے میدان میں شام ہوتی گئی، سکینہ دروازے پر کھڑی

رہیں، بابا شاید اب آئیں گے، اب آئیں گے۔

ہائے کوئی بیٹی اس طرح سے منتظر نہ ہو۔ شام ہو گئی۔ بابا نہ آئے دوڑ کے پھوپی کے پاس گئیں۔ پھوپی اماں میرے بابا نہیں آئے۔

کہا "بیٹا بابا نہیں آئے تو پھوپی جاتی ہے۔ پھوپی میدان میں آئیں ہر طرف آواز دیتی چلیں، میرا بھائی کہاں ہے؟

ایک لاشہ کے قریب پہنچ کر آواز آئی۔ ادھر آؤ بہن، ادھر آؤ۔ بھائی کو خدا حافظ کہا، بھائی نے کہا جاؤ، اب خیمے میں جاؤ خیمے سے باہر نہ آنا۔ انتہا تھی نا شہادتِ حسینؑ امتحان تھا نہ قتلِ حسینؑ، اس کے بعد ضرورت کیا رہی تھی۔ لشکرِ شام نے کہا۔ "دل تو ہمارا سیر ہو چکا، خیمے تو جل چکے، بچے طمانچے کھا چکے، بی بیاں لٹ چکیں، اب اتنی اجازت اور دیں کہ قومِ عرب جس کو ذلیل کرتے ہیں اس کی لاش کو گھوڑوں سے روندتے ہیں، پامال کرتے ہیں۔

اجازت مل چکی، حُرؑ کا قبیلہ سامنے آیا، تلواریں کھینچ لیں کہا ہمارا سردار امیرِ قوم تھا، بڑی ذلت کی بات ہے اگر اُس کا لاشہ پامال ہو۔ ہم اس کی اجازت نہ دیں گے۔ کہا، اچھا لے جاؤ، ایک ایک قبیلہ آتا تھا۔ ایک ایک کی لاش کو اٹھا کر لے جاتا تھا۔ ساری لاشیں اُٹھ گئیں، مگر کون تھا، وارث اس لاشہ کو اٹھانے والا کربلا کے میدان میں۔

رزق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالَّذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا لَیَرۡزُقَنَّہُمُ اللّٰہُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَہُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ۝ (سورۂ حج آیت ۵۸)

سورۂ حج میں ارشادِ باری ہے کہ اور وہ جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کردیے گئے۔ اَوۡ مَاتُوۡا، یا مر گئے "ثُمَّ قُتِلُوۡۤا اَوۡ مَاتُوۡا" ان کے لیے وعدہ یہ ہے کہ خدا اُن کو رزقِ حسن عطا کرتا ہے۔ اور پھر کس شان سے وَاِنَّ اللّٰہَ لَہُوَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ۝ ذاتِ واجب تو بہترین رزق دینے والی ذات ہے۔

مسئلہ چونکہ ہماری، آپ کی اور مخلوقاتِ عالم کی زندگی سے وابستہ ہے اس لیے التفات کے قابل ہے مسئلۂ رزق۔ ذاتِ واجب نے اپنے آپ کو خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ کہا ہے، اور پھر ارشاد فرمایا "میں رزقِ متین ہوں۔ دیتا ہوں سب کو اور پھر سب بگڑتے ہیں۔

سورۂ ھود میں ارشاد ہوا وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا۔ (سورۂ ھود آیت ۶) "زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں ہے، مگر اینکہ اس کے رزق کی ضمانت ہم نے لی ہے۔"

اور سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا۔ وَکَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّۃٍ لَّا

تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا (سورۂ عنکبوت آیت ۶۰)

کتنے ہی زمین پر حرکت کرنے والے کہ جو اپنا رزق اپنے کاندھوں پر لیے ہوئے نہیں پھرتے، بلکہ ہم ان کو رزق عطا کرتے ہیں۔" وہ اپنے کاندھے پر اپنا رزق لیے ہوئے نہیں پھرتے۔

تو ایسی صورت میں اعطائے رزق جس کی ذمہ داری ذاتِ واجب نے لی ہے۔ کبھی کبھی جب دعوتِ فکر دے تو آپ کو یہ غور کرنا پڑتا ہے کہ پوری نوعِ انسانی نفسِ واحد ہے، روئے زمین پر کہیں انسان رہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ط (سورۂ لقمان آیت ۲۸)

"تمھاری خلقت اور تمھاری بعثت، تمھارا پیدا کیا جانا، تمھارا اٹھایا جانا نفسِ واحد کی طرح سے ہے۔"

تو جب تم کو پیدا کیا اور زمین میں جگہ دی، زمین میں تمھارے رزق کا انتظام کر دیا۔ اب ساری زمین پر جتنے بھی بندے جی رہے ہیں، جتنی بھی مخلوق پل رہی ہے۔ زمین میں اتنی صلاحیت ہے، زمین میں اتنی استعداد ہے، اتنی قابلیت ہے کہ ان سب جینے والوں کے لیے وہ سامانِ رزق فراہم کرے، زمین کو اس قابل بنایا، لیکن اگر زمین پر عارضی نظم و نسق رکھنے والے اور زمین پر انسانی حکومت کے مختلف مظاہر اپنے آپ کو تجارت کے انداز میں اور قیمتوں کے اترنے اور چڑھنے کی صورت میں غور و فکر کرتے ہوئے کسی جگہ غلّہ کی فراوانی کو دیکھ کر لاکھوں ڈالر صرف اس لیے خرچ کریں کہ فاضل غلّہ جلا دیا جائے، یا فاضل غذا بیکار کر دی جائے، تو میں اللہ پر تو کوئی الزام نہیں آتا۔ آپ اپنے ہاتھوں رزق تباہ کر رہے ہیں۔ آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ کتنے کروڑ ڈالر خرچ کیے جا رہے ہیں کہ غلّے کو تباہ کرو، فاضل رزق کو تباہ کرو، اس لیے کہ کہیں بازار بگڑ نہ جائے۔ کہیں قیمت پر اثر نہ آئے۔

اِس طرح سے بندے اپنے ہاتھوں سے عطا کیا ہوا رزق برباد کریں، تو یہ اُس کی رزاقیت پر تو الزام نہیں لگا سکتے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اگر وہ رزاق ہے تو بندے بھوکے کیوں مرتے ہیں۔ کس کی وجہ سے بندے بھوکے مرتے ہیں؟ تمھارے نظم و نسق کی وجہ سے ذاتِ واجب پر آنِ واحد کے لیے بھی شائبۂ الزام نہیں آسکتا کہ اُس نے اپنے بندوں کو کہیں رزق سے محروم رکھا یا بھوکا رکھا، صرف یہی نہیں کہ اس نے صرف معدہ کے لیے رزق بنایا۔ اس نے جس چیز کو خلق کیا، اس کے لیے رزق بنایا؛ دماغ بنایا تو دماغ کے لیے رزق الگ ہے، آنکھیں دیں تو آنکھوں کے لیے رزق الگ ہے، کان بنائے تو کانوں کے لیے رزق الگ ہے، ناک بنائی تو ناک کے لیے رزق الگ ہے۔ لمس پیدا کیا تو قوتِ لامسہ کا رزق الگ ہے۔ آگے بڑھ کے عقل دی، تو رزقِ عقل کچھ اور ہے۔

ملاحظہ فرمایا! وہ رزاقِ متین ہے۔ وہ جس چیز کو پیدا کرتا ہے، اس چیز کو بغیر رزق کے نہیں رکھتا۔ اچھا منظر آنکھوں کے لیے رزق ہے، اچھی آواز کانوں کے لیے رزق ہے، اچھا ذائقہ زبان کے لیے رزق ہے، حکمت کی باتیں عقل کے لیے رزق ہیں۔ اور اس طرح سے ذاتِ واجب نے کسی کو بغیر رزق نہیں رکھا۔

وہ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ہے بہترین رزق دینے والا ہے اور پھر رحمٰن ہے، موسیٰ کو بھی رزق دیتا ہے، فرعون کو بھی رزق دیتا ہے، رحمٰن ہے ابراہیمؑ کو بھی رزق دیتا ہے نمرود کو بھی رزق دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنے بندے کو رزق دے اور جو اس سے سرتابی کرے اس کا رزق بند کر دے، یہ رحمانیت کا تقاضا نہیں ہے۔ اس نے طے کر لیا کہ جب تک جیو گے، رزق میں دوں گا۔ اس لیے رزق کی شکایت نہ کرنا سب سے بڑی انسان کی ناشکری یہ ہے کہ وہ ذاتِ واجب پر یہ الزام لگائے کہ وہ رزاق ہوتے ہوئے اپنے بندوں کو بھوکا دیکھتا ہے۔ بندے اگر بھوکے رہتے ہیں تو یہ

ہمارا اپنا بنایا ہوا نظم و نسق کا ایک راستہ ہے کہ جہاں جا کر بہت سے انسان صحیح معنی میں وہ رزق نہیں پاتے جو ان کو پہونچنا چاہیے۔ دینے والا تو سب کو دے رہا ہے۔

اس منزل پر آگے بڑھ کر ارشاد فرمایا " فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ " (سورۂ نحل آیت ۷۱)

بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی

یہ بھی نہ سمجھنا کہ سب کے لیے طے کر دیا ہے کہ سب کو ایک ہی طرح سے رزق دیں گے۔ نہیں۔ " فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ " بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دے دی ہے۔

دیکھیے! اب اس شبہے کو بھی نکال دیجیے کہ وہ کسی کو زیادہ رزق دیتا ہے، کسی کو کم رزق دیتا ہے۔ کیونکہ ظرف کو دیکھتا ہے۔ صلاحیت کو دیکھتا ہے اور پھر رزق عطا کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا، ہم نے کسی کو زیادہ رزق دیا، کسی کو کم رزق دیا۔ مگر حکم یہ ہے۔ " فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَآدِّي رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ " (سورۂ نحل آیت ۷۱)

جن کو زیادہ رزق دیا گیا ہے، وہ دوسروں پر اس رزق کو تقسیم کیوں نہیں کرتے، ان لوگوں پر جو ان کے دست نگر ہیں۔

انکار نہیں فرمایا، یہ نہیں کہا کہ ہم نے رزق نہیں دیا، یہ نہیں کہا، بلکہ یہ کہا، ہم نے سب کو برابر دیا۔ درجات ہیں جیسے عقل کے درجات ہیں، فکر کے درجات ہیں، انسانیت کے درجات ہیں، اسی طرح اعطائے رزق کے درجات ہیں۔ اعطائے رزق کی وجہ سے ذاتِ واجب پر کوئی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ جس کو جس قابل پاتا ہے اتنا رزق دیتا ہے۔

ہم نے تم کو رزق دیا، تم نے فضیلت پائی، اگر رزق کے استعمال میں تو

سب برابر ہیں نا، تو ایسی منزل پر ایک اور مسئلہ کو قرآن نے حل کر دیا۔ ہم بہت سے لوگوں کے رزق میں اضافہ کر دیتے ہیں، مگر جب ان کے پاس اضافے سے رزق پہونچ جائے کہ جو ان کے دستِ نگر ہوں، وہ ان تک تو رزق پہونچا دیں، اس لیے کہ واسطہ بنایا ہے ہم نے ان کو ذریعہ بنایا ہے کہ ہمارے فیض کے لیے ایک ذریعہ بن کر رہیں ہمارے کرم کے لیے ایک راستہ بن کر رہیں۔

یہ مدارجِ رزق ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا، بڑی وضاحت کے ساتھ، دیکھو! ایک مثال ہے اس مثال کو نہ بھولو: " ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰی شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۖ هَلْ يَسْتَوُونَ • (سورۂ نحل آیت ۷۵)

اللہ ایک غلام کی مثال بیان کرتا ہے، وہ کسی بات پر قادر ہی نہیں ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے رزقِ حسن دیا ہے، تو اس کا عالم یہ ہے کہ وہ کبھی چھپا کر دیتا ہے کبھی اعلانیہ دیتا ہے، کیا وہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ جس کو ہم نے رزقِ حسن دیا ہے وہ کبھی رات کی تاریکی میں دیتا ہے کبھی دن کی روشنی میں دیتا ہے؛ وہ کبھی رزقِ حسن کو روکتا نہیں۔ جو مملوک ہے اور غلام ہے، وہ رزق کو روک رکھتا ہے۔ آزاد اور غلام کی مثال آپ نے سنی۔ آزاد وہ کہ دے تو تقسیم کرے، غلام وہ کہ دے تو روک رکھے۔

اس منزل پر عنوان کی آیت پر پھر واپس جائیں: " وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ (سورۂ حج آیت ۵۸)

جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کر دیے جائیں یا مر جائیں تو وہ

یہ ہے کہ خدا ان کو رزقِ حسن دیتا ہے ۔ تو وہ غلام نہیں ہیں، وہ مملوک نہیں ہیں، وہ فکر آزاد رکھتے ہیں، اُن کی موت اُن کے لیے تقسیمِ رزق میں مانع نہیں ہے۔ خدا ان کو رزقِ حسن دیتا ہے، اگر وہ قتل ہوجائیں یا مر جائیں۔ دیکھیے رزق کا تصور تو جینے کے ساتھ ہے نا زندگی کے ساتھ ہے یہاں ارشاد ہوتا ہے مرنے کے بعد رزق دیتے ہیں مرنے کے بعد بھی رزقِ حسن دیے جاتے ہیں تو وہ غلام نہیں ہیں، وہ مملوک نہیں ہیں جب مرنے کے بعد رزق دیتے ہیں تو وہ اور رزق تقسیم کر رہا ہوگا۔

بڑی اہم فکر پیش کر رہا ہوں، جب کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ راہِ خدا میں ہجرت کرکے آیا ہے تو مکان سے مکان کی طرف ہجرت نہیں بلکہ عاداتِ قبیحہ کو چھوڑ کر خصائلِ حسنہ کی طرف آرہا ہے، ظلمات کو چھوڑ کر نور کی طرف آرہا ہے، بدی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف آرہا ہے، اگرچہ اپنے مقام پر بیٹھا ہی ہو مگر مہاجر ہے اس لیے کہ حرکت مسلسل ہے، سیر مسلسل ہے، سیرِ عقلانی ہے ظلمت سے ہٹ رہا ہے نور کی طرف آرہا ہے، باطل سے ہٹ رہا ہے، حق کی طرف آرہا ہے غیرِ حق سے ہٹ رہا ہے حق کی طرف جارہا ہے۔ ایسے موقع پر مہاجر ہے اور اس عالم میں قتل ہوجائے یا مر جائے، تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ دشمن نے مارا اور اگر مر گیا تو کسی کی محبت میں مر گیا۔

اب دیکھیے، ہم اس کو رزقِ حسن دیتے ہیں، یعنی اب ایسے قتل ہونے والوں کو یا ایسے مرنے والوں کو مردہ نہ سمجھنا۔ کیا دلیل دی ہے اور جس کو ہم رزقِ حسن دیتے ہیں، وہ رزق کو روکے نہیں رکھتا، وہ کبھی چھپا کر دیتا ہے کبھی اعلان کرکے دیتا ہے۔ تو دینے کے لیے فقط حیاتِ دنیا کی ہی ضرورت نہیں، سانس کے چلنے کی ضرورت نہیں، جسم کے متحرک ہونے کی ضرورت نہیں، قتل ہونے کے بعد بھی رزق بانٹ سکتا ہے۔ مرنے کے بعد بھی رزق بانٹ سکتا ہے۔ اب آپ نے دیکھا اس منزلِ رزق پر پہونچ کر چند باتیں واضح ہوگئیں سب سے پہلے یہ کہ کائنات کے ذرّے ذرّے کے لیے اس کے لیے اس کا اپنا رزق ہے۔ رزق دینے والا رزّاق متین ہے۔ اُس نے ہر شے کو اس کی استعداد کے مطابق رزق دیا ہے تو اسی طرح سے ہجرت کرنے والے کو بھی رزق دیتا ہے۔ تو وہ رزق پانے والا رزق کو روکتا نہیں، وہ انصاف

اللہ کی راہ میں قتل ہونے والا شہید خدا کا رزق کھاتا ہے
سورہ آل عمران دیکھیں

کیے جارہا ہے، دیے جارہا ہے کبھی چھپا کر دے رہا ہے کبھی اعلان کرکے دے رہا ہے۔

اب اس منزل پر ایک مرتبہ واپس آکر ایک اور آیت کو دیکھیں۔ یہ آیت سورۂ آلِ عمران کی ہے۔ آخر وہ رزق دیتا کس کو ہے، وہ رزق دیتا کس کو ہے۔

ارشاد ہوا: " وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (آل عمران ۱۶۹-۱۷۰)

اللہ کی راہ میں قتل ہوجانے والوں کو مردہ نہ کہنا، گمان بھی نہ کرنا، ترجمہ صحیح یہ ہے کہ گمان بھی نہ کرنا کہ وہ مُردہ ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں اور زندگی کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے ربّ کے پاس رزق پارہے ہیں۔ کشتگانِ راہِ خدا، خوش ہیں کہ خدا کے فضل سے اللہ نے ان کو یہ دیا ہے۔ یہ منزلت عطا کی ہے۔ ان کو فرحت ہے اور بشارت ہے کہ ہمارے بعد آنے والوں کو نہ خوف رہے گا، نہ حزن رہے گا۔

ملاحظہ فرمایا، یہ کون سی منزل ہے کہ راہِ خدا میں قتل ہونے والا رزق پارہا ہے، خوش اس لیے ہے کہ اللہ کا فضل یوں شاملِ حال ہے، بشارت و فرحت اس لیے ہے کہ بعد میں آنے والوں کو ڈر نہیں رہا۔

اب جس کو جہاں ضرورت پڑے نام لے لے شہید کا۔ اس میں کوئی قید نہیں ہے عقیدے کی۔ ہر شخص یہ کہتا ہے ہم حسینؑ کے نقشِ قدم پر چلیں گے، عقیدے کی قید نہیں ہے کہ اسی عقیدے کا ہو تو کہے۔ وہاں رزق بٹ رہا ہے۔ سخی کی بارگاہ ہے۔ جبتک جسمِ عنصری مادّی میں ان کی روح کر رہی تھی اس وقت بھی سخی تھے۔ روٹیاں اٹھا اٹھا کے دے دیتے تھے اور ھل اتیٰ کو لے لیتے تھے۔

مرنے کے بعد بھی رزق رُکا نہیں ہے۔ شہیدوں نے رزق دیا، شعور کو رزق

دیا، عقل کو رزق دیا، فکر کو رزق دیا، اور آگے بڑھ کے پھر ادب کو رزق دیا
سخن کو رزق دیا، فہم انسانی کو رزق دیا، تمدن کو رزق دیا، تہذیب کو رزق د
یہ شہیدوں کا رزق ہے جس میں ہم جی رہے، وہ مسلسل عطا کیے جا رہے ہیں۔ ہ
منزل، ہر اکتساب کرنے والے ہر استعداد رکھنے والے نے حسب حوصلہ
شہید سے رزق لیا۔

آلِ عمران کی آیت آپ سن چکے، "گمان بھی نہ کرنا کہ کشتگان راہ
مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں"۔ اللہ کی نگاہ میں زندگی اور موت کا وہ مفہوم نہیں
جو آپ کی اور ہماری نگاہ میں ہے کہ سانس چلے تو زندہ ہیں، ہم حرکت کریں تو
ہیں، قرآن کی نظر میں تو موت اور حیات کا تصور ہی اور ہے۔

سورۂ جاثیہ کی آیت ہے " اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا
السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ط (سورۂ جاثیہ آیت ۲۱)

کیا بدکاری کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ایمان داروں کی فہرست میں
لا کھڑا کریں گے۔ ان کی حیات و موت ہمارے نزدیک یکساں ہے ؟ خدا کی
نظر میں ان کی حیات و موت دونوں برابر ہیں۔

تو بدکاری کی زندگی قرآن کے نزدیک موت ہے۔ سانس لیتی ہوئی
یعنی چلتی پھرتی میتیں ہیں، حرکت کرتے ہوئے جنازے ہیں، مگر، قرآن جس
زندگی کہتا ہے، وہ زندگی وہ ہے جہاں ایمان اور عملِ صالح کے بعد انسان عن
ہجرت کرے، ظلمت سے نور کی طرف آئے، اب قتل ہو جائے یا مر جائے، ہم اس کو
رزقِ حسن دیں گے، تو قتل ہو جانے والے کے لیے شہادت لازم، شہادت کی زندگی
ثابت، مگر، مرنے والے کے لیے ؟ تو مرنے والے کے لیے کہا " مَنْ مَّاتَ

علیٰ حُبِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِیْداً " جو آلِ محمد کی محبت پر مر جائے
وہ شہید مرتا ہے۔
محبت نے کیا کیا ؟ مہاجر بنایا، گھر نہیں چھوڑا آپ نے، مکان
نہیں بدلا آپ نے، محبت نے تجدیدِ ہستی کی کیفیت پیدا کی، آپ کی زندگی کو منقلب
کر دیا۔ آپ کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا پستیوں سے بلندیوں تک لے جانے والی
محبت ہے۔ محبت نام ہے تجدیدِ ہستی مومن کا جہاں یہ محبت آئے تو وہاں بھی شہادت
جہاں تہہِ خنجر کوئی جائے وہاں بھی شہادت۔
رزق ملتا ہے ہر طرح سے رزق ملتا ہے۔ تو اس طرح سے ہم اسی رزق
کو حاصل کر رہے ہیں۔ جب شہیدوں کی یاد مناتے ہیں تو خدا گواہ ہے یہ سمجھ کر یاد نہیں
مناتے کہ مر چکے۔ شہیدوں کی زندگی اعطائے رزق کے لیے لازم ہے۔ دنیا میں جن
کو بھرپور رزق ملتا ہے، ہاتھوں کو اپنے روک لیتے ہیں اور دنیا کو فاقہ کشی پر مجبور کرتے
ہیں، مگر اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا، اور شہادت پانے والا وہ رزق کو روکتا نہیں
ہے۔ وہ زندہ ہے۔ ان سے رزق لو، عقل کے لیے مانگتے ہو رزق مانگو، نفس کے
لیے مانگتے ہو رزق مانگو، شعور کے لیے مانگتے ہو رزق مانگو، ادب کے لیے رزق مانگتے
ہو، مانگو۔ اپنے جینے کے لیے بھی رزق مانگتے ہو تو مانگو۔ اس میں بدعت کی بات نہیں
حیات ثابت ہے۔ دینے والا وہ مالکِ کُل، دینے والا خالقِ کُل، دینے والا خیر الرازقین
ہے، دینے والا رزاقِ متین، اُس نے راستے بتا دیے اور یہ بتایا جس ہاتھ میں رزق رک
جائے گا چھین کر دوسرے کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ خبردار ! روکو نہیں، دیتے جاؤ
اس لیے کہ یہ کرم ہے کہ رزق مل رہا ہے۔
: ۱۳۰۹ھ کا محترم ہے ابھی تک رزق مل رہا ہے اور قیامت تک ملتا
رہے گا۔ یوں رزق پاتے ہیں، عقل کو رزق دیا، شعور کو رزق دیا، اور بتلایا کہ دیکھو اگر اپنے

بے راہیں ڈھونڈ سکتے ہو تو رزق لو، رزق دینے کے لیے تیار ہیں، مگر قبل اس کے کہ یہ فکر ہو کہ ہم ان کے بتلائے ہوئے راستے پر چلیں گے یا ان کے آثارِ فدویت کو ڈھونڈتے ہوئے، یا ان کے جذباتِ قربانی کو دیکھتے ہوئے ہم بھی اسی منزل پر پہونچ کر اپنی قربانی اور فدویت کو پیش کریں گے تو اس سے پہلے ایک یہ مرتبہ ضروری ہے کہ شہید کو کوئی پہچان تو لے۔ کس منزل پر گفتگو جاری ہے۔ ارے شہید کو پہلے پہچانو، پھر یہ کہو کہ ہم اُن کے قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ کون ہے شہید'؟ اسلام میں ایک ہی ذاتِ عظمت کے قابل ہے، اسلام میں ایک ہی روحِ ایمان ہے، اسلام میں ایک ہی روحِ کمال ہے۔ اسلام مکمل ایک ہی قدسی صفات ہے اور وہ ذاتِ گرامی، احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، انھی کا کلمہ ہے، انھی سے اذان ہے، انھی سے تشہد ہے انھی کے لیے سلام ہے انھی کے لیے درود ہے، وہی مظہرِ صفاتِ جلال وجمالِ الٰہی ہیں، سب کچھ وہ ہیں۔

اُنھوں نے اللہ کے پیغام کو آخری صورت دے کر یہ بتلایا کہ قیامت تک اسی پیغام کو رہنا ہے۔ تو اب ایسی صورت میں نبیؐ یہ چاہتے تھے کہ اس کام کی تکمیل کے لیے میں کسی ایسے کو چُن لوں اس کام کی تکمیل کے لیے فدویت اور قربانی کی منزل آئے تو نہ وہ اپنا خیال کرے، نہ بچوں کا خیال کرے، نہ گھر والوں کا خیال کرے، نہ ترکِ وطن کا خیال کرے کسی کا خیال نہ کرے، اس لیے اپنی چہیتی بیٹی کے بیٹے کو پسند کر کے سینے سے لگا کر کہا "حُسَیْنٌ مِنِّی وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْن" حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں

یہ وہ منزل تھی کہ جہاں حسینؑ ابنِ علیؑ نے دیکھا کہ نانا کے مقصد کی تکمیل اسی میں ہے کہ گھر چھوٹے، صحیح معنی میں ہجرت واقع ہو جائے۔ مدینہ چھوٹے، مدینے کا احترام بھی رہ جائے مکہ آئیں اور مکے کی عظمت بھی باقی رہ جائے۔ نہ یہاں لڑائی ہو، نہ وہاں لڑائی ہو دونوں جگہ کی لڑائی کو حسینؑ پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے نہیں پسند کرتے تھے کہ آگے چل کر

کہیں تاریخ یہ نہ کہہ دے کہ قاتل کا پتہ نہیں چلا، معلوم نہیں کس نے قتل کیا، معلوم نہیں حاجیوں کے لباس میں کون تھا، معلوم نہیں مدینے میں کون سی سازش تھی۔ اس لیے حسینؑ چاہتے تھے کہ اب جو لڑائی ہو کھُلے میدان میں لڑائی ہو، تقسیم برابر کی ہو، اپنا پرایا معلوم ہو جائے، یگانہ بیگانہ پہچانا جائے۔ آنے والا کوئی آئے تو حُرؑ بن کے آئے۔

اور ایسے موقع پر محرّم کی دسویں تاریخ ۶۱ھ کا پہلا مہینہ حسینؑ ابنِ علیؑ نے طے کر لیا کہ آج قربانی کی منزل ہے۔ اور اس قربانی کی منزل پر انبیاء و مرسلین کو بھی دیکھا اس قربانی کی منزل پر ہم نے دنیا کے بڑے بڑے عقل مندوں کو بھی دیکھا، مگر اس شان سے اس منزل کو سر کرتے ہوئے کسی کو نہ پایا۔ ابراہیمؑ ایک منزل پر رک گئے، زکریاؑ ایک منزل پر رک گئے، موسیٰؑ ایک منزل پر رک گئے، مگر جو یہاں دیکھا ایک دن میں اتنی لاشیں اُٹھائیں، ۵۷ برس کا سن ہے کبھی بھانجوں کی لاشیں لا رہے ہیں، کبھی بھتیجے کی لاش لا رہے ہیں۔ آخر میں وہ منزل بھی آئی کہ اٹھارہ۱۸ برس کے جوان بیٹے کی لاش اٹھائی۔ اور یہ کہہ کر اُٹھائی "علی الدنیا بعدک العفا" علی اکبرؑ تیرے بعد تو جینے پر خاک ہے اب جو فرصت ملی تو تینتیس۳۳ برس کے بھائی کی لاش اٹھائی اور یہ کہہ کر چلے۔ جاؤ عباسؑ جاؤ۔ اب ہماری کمر ٹوٹ گئی، جانے والے جا چکے اب تھوڑی دیر میں ہم بھی آرہے ہیں۔ یہی قضائے الٰہی ہے۔ یہ کہہ کر قتل گاہ میں آئے، زخمی تو ہو چکے تھے۔ گھوڑے کی گردن میں دونوں ہاتھوں کو ڈال دیا اور کہنے لگے، ذوالجناح! آخری سواری ہے۔ آہستہ آہستہ چل، جگہ ہم خود پسند کر لیں گے۔

ایک مقام پر پہونچ کر جگہ کو پسند کیا اور بیقراری میں زمین پر سجدۂ باری میں گر پڑے اور آواز دی۔ "تیرے حکم پر راضی ہوں مالک میرے، معبود میرے! تیرے امر کو مان رہا ہوں، تیرے سوا میرا کوئی معبود نہیں ہے۔ اے پناہ نہ رکھنے والوں کو پناہ دینے والے! اب میری مدد کر۔

حسینؑ زمین پر آئے، اُدھر خیمے کا پردہ اُلٹ کر بہن نکلی، یہ کہتی ہوئی چلی بھائی نظر نہیں آتا کربلا کے میدان میں شام ہو رہی ہے، بہن بھائی کو ڈھونڈ رہی ہے کہ ایسے میں ایک مرتبہ آواز آئی۔ جاؤ بہن واپس جاؤ، واپس جاؤ، جاؤ بہن واپس جاؤ عابدِ بیمار کی حفاظت کرو، سکینہ کی حفاظت کرو، گھر والوں کی حفاظت کرو۔

اب جو واپس آئیں دیکھا خیمے جل رہے ہیں۔ تو گھبرا کر بچوں کو باہر کھینچا عابدِ بیمار کا سجادہ باہر لائیں، سکینہ بی بی کو سنبھالا، اور ایسے عالم میں جبکہ خیمے جل رہے تھے اور اُدھر کربلا کے میدان میں شام ہو رہی تھی۔

ہائے رے زینبؑ کی پریشانی، اُمِ کلثوم سے کہا، بہن کل کی بات تھی نا اسی خیمے کے اطراف عونؑ و محمدؑ بھی تھے، عباسؑ بھی تھے، علی اکبرؑ بھی تھے، قاسم ابنِ حسنؑ بھی تھے۔ بہن آج کون ہے، چلو اتم ہم مل کر آج بچوں کی حفاظت کریں۔

یہ کہہ کے ایک مرتبہ بچوں کو ریتی پہ بٹھا کر اطراف گھومنے لگیں۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی ایک مرتبہ دیکھا کہ تاریکیٔ شب میں کسی کے آنے کی آواز آ رہی ہے۔

گھبرا کے کہا، ارے کون آ رہا ہے؟

پتہ چلا کہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ تیزی سے آ رہا ہے۔ پکار کر کہا، علیؑ کی بیٹی تجھ سے کہتی ہے۔ رُک جا، میرے بچے ابھی ابھی گھبرا کے سوئے ہیں۔ اِدھر نہ آ۔

مگر وہ سوار دُر کنا تھا نہ رُکا۔ علیؑ کی بیٹی کو جلال آیا۔ آگے بڑھ گئیں۔ گھوڑے کے سامنے کھڑی ہو گئیں اور ایک مرتبہ گھوڑے کی لگام پر ہاتھ ڈال دیا اور کہا، تجھے دھیان نہیں آتا، فاطمہؑ کی بیٹی تجھ سے کہتی ہے رُک جا۔

سوار نے ایک مرتبہ نقاب کو اُلٹ کر کہا، زینبؑ علیؑ آیا ہے، علیؑ آیا ہے حفاظت کے لیے، جاؤ زینبؑ آرام کرو آج علیؑ حفاظت کرے گا۔

تسلیم

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؕ (سورۃ الاحزاب آیت ۲۲)

سورۃ الاحزاب کی اس آیت سے جس کی میں نے ابھی تلاوت کی فضیلت حاصل کی، یہ پتہ چلتا ہے کہ جنگ کے میدان میں دشمنوں کی کثرت تھی اور ہر طرف سے دشمن ٹوٹ پڑ رہے تھے۔ اور اس کی تفصیل اس سے پہلے آیتوں میں موجود ہے۔ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (احزاب ۱۰) وہ پہاڑوں پر سے اُتر رہے تھے، وادیوں سے نکل رہے تھے، تمھارے مختلف اطراف کے دیہات سے یہ جمع ہو رہے تھے، اور ایسی منزل پر کہ جب یہ لشکر اس کثرت کے ساتھ احزاب میں جمع ہو رہا تھا جس کو خندق کہتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (احزاب ۱۱)

صاحبانِ ایمان کا امتحان تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شدید زلزلے دلوں میں آ رہے ہیں۔ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ (سورہ احزاب آیت ۱۰) کلیجے منہ کو آ چکے تھے اور ایسے موقع پر وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (احزاب آیت ۱۲) اور منافق یہ کہہ رہے تھے اور

جن کے دلوں میں بیماریاں تھیں وہ یہ کہہ رہے تھے مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ
رَسُولُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا ○ (احزاب آیت ۱۲)۔

"آج اللہ نے اور اُس کے رسولؐ نے ہم کو دھوکا دے دیا۔ آج اللہ نے
اور اس کے رسولؐ نے فتح کا وعدہ کیا تھا۔" مگر فوجوں کی یہ شدت، فوجوں کی یہ
کثرت اور ان کی یہ طاقت اور ان کی یہ عسکری قوت دیکھ کر اب ہم کو یہ یقین ہو گیا
ہے کہ آج ہم مر گئے۔

لیکن ابھی جس آیت کی تلاوت کی گئی وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ
الْاَحْزَابَ، مگر جب صاحبانِ ایمان نے لشکروں کو دیکھا، قَالُوْا هٰذَا
مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ، "ان لوگوں نے کہا، یہ ہے وہ جس کا اللہ اور
اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا۔" وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ "اور اللہ بھی
سچا ہے اور اُس کا رسولؐ بھی سچا ہے۔ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○
"اور ان میں اضافہ ہوا تو ایمان ہی کا اضافہ ہوا، تسلیم ہی کا اضافہ ہوا۔" نہیں
زیادتی ہوئی مگر ایمان میں اور تسلیم میں

اسی منزل پر دل نے یہ چاہا کہ آج ملتِ اسلامیہ کو پیغام دیتے ہوئے
تسلیم پر گفتگو ہو جائے۔ تسلیم، سپردگی۔ تسلیم اپنے آپ کو کسی کی مرضی کے
حوالے کر دینا۔ تسلیم، جہاں انسان قبول کرے اور مانے کسی چون و چرا کے بغیر کسی
حکم کو جس کو وہ چاہتا ہے، جس کو وہ مانتا ہے، جس سے وہ محبت رکھتا ہے، جس
کی وہ عبادت کرتا ہے، جس کی وہ پرستش کرتا ہے، اُس کو قبول کرے۔ یہ مقامِ تسلیم ہے
اسی سے اسلام ہے، اگر اس میں سلم ہو اسلام سپردگی کی وہ منزل ہے کہ
جہاں انسان صلح آشتی کا اعلان کرتے ہوئے معبود کے حکم کے آگے، معبود کے فرمان
کے آگے اپنے سرِ تسلیم کو خم کر دے۔ تسلیم۔ قرآن مجید میں عجیب بات یہ ہے کہ لفظ

تسلیم تین مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

پہلے یہ آیت مَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ○ اضافہ نہیں
ہوا مگر ایمان اور تسلیم میں، کب؟ فوجوں کی قوتوں کو دیکھ کر، کب؟ جب منافقوں کے دل
اکھڑ چکے تھے، جب ان کے کلیجے منہ کو آ چکے تھے۔ تو ایسے موقعے پر صاحبانِ ایمان یہ کہہ
رہے تھے کہ ہم تو تسلیم کی منزل پر ہیں، ہم کو مرضیٔ مولا چاہیے۔

دوسرا مقام سورۂ نساء، کہ جہاں بتلایا کہ دیکھو! یہ تسلیم کی منزل ہے
"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ
لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○
(سورۂ نساء، آیت ۶۵) "نہیں ہے، تیرے رب کی قسم وہ صاحبِ ایمان
نہیں ہے، جب تک کہ تجھ کو اپنے مسائل میں حَکم نہ بنا لے، اور جب تو کوئی فیصلہ
کرے تو اس فیصلے کو اپنے دل سے قبول کرے۔ وہ فیصلہ ان کے دل پر گراں نہ ہو، بار
نہ بنے، اور تسلیم کرے تجھ کو جو حق تسلیم کرنے کا ہے۔"

سورۂ احزاب میں تسلیم، سورۂ نساء میں تسلیم۔

اب تیسری منزل یہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ
عَلَى النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○
(سورۂ احزاب آیت ۵۶) "بیشک اللہ اور اُس کے ملائکہ رسولؐ پر رحمتوں کو نازل
کرتے ہیں، اللہ رحمت نازل کرتا ہے اور ملائکہ رحمت طلب ہیں۔ اور اے صاحبانِ ایمان!
تم بھی رسولؐ کے لیے رحمت کو طلب کرو۔"

یہاں تک تو بات ختم ہوئی مگر عمل بتلایا، تسلیم کرو، جو حق تسلیم کرنے
کا ہے۔ حقِ تسلیم کیا ہے؟ مسلمان کے لیے تسلیم کی منزل کیا ہے؟ کہ وہ اس طرح سے تسلیم کرے
خوشی سے تسلیم کرنے کا۔ یا پھر جس طرح سے صاف ترجمہ کرنے والوں نے ترجمہ کیا ہے خصوصاً

انگریزی کے ترجمہ کرنے والوں نے انگریزی زبان کے۔ انھوں نے کہا اُس کو سلام کرو جو حق سلام کرنے کا ہے، دونوں صورتوں میں سلام ہو یا تسلیم اس کے معنی یہ ہیں کہ نبیؐ کو ماننا ہے، نبیؐ کو تسلیم کرنا ہے۔

چنانچہ اب اس آیت کے پہلے اور اس آیت کے بعد، جس کی میں نے تلاوت کی وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ لا قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ (سورۃ الاحزاب آیت ٢٢)

اس آیت کے لیے ایک سباق ہے، ایک سیاق۔ اس سے پہلے ہے، ایک بعد۔ پہلی آیت یہ ہے۔ " لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ " (احزاب آیت ٢١) " تمھارے لیے اللہ کے رسولؐ کی ذاتِ گرامی بہترین نمونہ ہے۔ اور تیسری آیت جو اس کے بعد ہے وہ یہ ہے۔" مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝

(سورۃ الاحزاب آیت ٢٣)

" صاحبانِ ایمان میں وہ لوگ بھی ہیں۔ وہ مردانِ خدا بھی ہیں، صاحبانِ ایمان میں وہ رجال ہیں کہ جو اپنے وعدوں کو سچا کر دکھاتے ہیں۔ ان میں مرنے والے مر چکے انتظار کرنے والے انتظار کر رہے ہیں، کبھی ان کی فطرت نہیں بدلتی، کبھی ان کی حاجت نہیں بدلتی، کبھی اُن کی نیت نہیں بدلتی، کبھی ان کی کیفیتِ باطنی نہیں بدلتی۔"

یہ تین آیتیں ہیں سورۂ احزاب کی۔ پہلی آیت میں یہ ذکر ہے کہ رسولؐ کی ذاتِ گرامی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ دوسری آیت میں یہ ہے کہ لشکر پہ لشکر آئے ہمارے

ایمان اور تسلیم میں اضافہ ہوا اور تیسری آیت میں یہ ہے کہ کچھ لوگ مر گئے اور کچھ لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ اب ان تین آیتوں کو ملا کر پڑھیے۔

پہلی آیت حکم بنی ہوئی ہے، حکومت کر رہی ہے کہ رسولؐ کی ذات میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں، رسولؐ کی ذات میں، رسولؐ کے اسوۂ حسنہ میں استقامت بھی ہے، قیام بھی ہے، بے خوف زندگی بھی ہے، لشکروں کو دیکھ کر سکون و اطمینان کی کیفیت بھی ہے۔ رسولؐ قرآن کا رسولؐ، رسولؐ مسلمانوں کا رسولؐ، رسولؐ ملتِ اسلامیہ کا رسولؐ، جن کے متعلق کبھی کبھی یہ سوچا جاتا ہے کہ مدینے میں آئے تو طبیعت میں جارحیت آگئی اور مکّہ میں رہے تو خاموش رہے، صلح جو رہے، کوئی لڑائی نہیں ہوئی، کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ یہ تصور قرآن کے اعتبار سے انتہائی غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورے ہیں، ایک سو چودہ سورے ہیں قرآن میں اور اس میں آپ کو تعجب ہوگا کہ بہت کم سورے ہیں جو مدنی ہیں اور باقی سب مکّی سورتیں ہیں۔ یہ سورہ ہائے طوال مدنی ہیں۔ سورۂ بقرہ ہے سورۂ آلِ عمران ہے۔ اور اسی طرح سے آپ آگے بڑھتے جائیں گے۔ تو جو سورۂ طوال ہیں وہ مدنی سورتیں ہیں مدینے میں نازل ہوئیں اور عموماً آپ دیکھیں گے کہ جو مکّی سورتیں ہیں، مکّے میں نازل ہونے والی سورتیں ہیں۔ ان کا عالم یہ ہے کہ ان میں الفاظ میں جلالت، جنگ کے جلال سے زیادہ ہے۔ ان میں الفاظ میں جلالت، غصّہ، جوش، دھمکیاں، تنبیہ مدنی سورتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ آپ اگر تجزیہ کرتے ہیں، ان تمام سورتوں کا، تو صرف دو تین سورتوں پر غور کیجیے۔

پہلی سورت، سورۂ علق۔ اس میں جلال دیکھیے، اکیلا نبیؐ کفارِ قریش کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے۔ " ہاں! انسان کا پیٹ جب بھرتا ہے تو وہ کفر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور جلال کے الفاظ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ (سورۂ علق آیت ١٥)

حبیبؐ! کہہ دو اگر یہ باز نہیں آئے گا "لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝" (سورۂ علق آیت ۱۵-۱۶)

"تو ہم اس کی پیشانی پکڑ کر کھینچیں گے۔ جھوٹی پیشانی، خطاکار پیشانی، گمراہ کرنے والی پیشانی۔" پہلا سورہ، پہلی وحی۔ جلال کا یہ عالم۔!

دوسری وحی نون والقلم، اور بلا رعایت ارشاد ہوا، جس کو آپ نے محفوظ بھی کیا ہے اپنے دماغوں میں کہ: خبردار! اے رسولؐ "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝" (سورۃ القلم آیات ۱۰ تا ۱۳)

پیغمبرؐ! بہتان تراشنے والے کی (زیادہ قسمیں کھانے والے کی) اطاعت نہ کرنا، گنہگار کی اطاعت نہ کرنا، حد سے آگے بڑھنے والے کی اطاعت نہ کرنا، پیغمبرؐ کی نیکیوں میں حائل ہونے والے کی اطاعت نہ کرنا، اور پھر جس کا نسب صحیح نہ ہو اُس کی اطاعت نہ کرنا، اور پھر جو ہٹ جائے اپنے راستے سے اپنے محل سے، اپنی غلطیوں سے اپنے خواہشاتِ نفس سے، اُس کی اطاعت نہ کرنا۔

یہ سورۂ نون والقلم اور یہ سارے الفاظ کہ اگر آج کوئی عرب دوسرے عرب کو ان الفاظ سے یاد کرے تو تلواریں کھنچ جائیں گی، مگر اکیلا نبیؐ صناديدِ قریش کو خطاب کر کے آیتیں پڑھ رہا ہے۔

تیسری وحی سورۂ مدثر۔

"كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۝ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ۝

فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ (سورۂ مدثر آیات ۳۲ تا ۴۳)

یہ سلسلہ ہے آیتوں کا کہ جب سب جہنم میں چلے جائیں گے اور ان سے پوچھنے والے پوچھیں گے کہ تم کیوں آئے؟ تو کہا ہم نے نماز نہیں پڑھی تھی، اور۔ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ (۴۴ مدثر) ہم نے مسکین کو کھانا نہیں کھلایا تھا وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۝ (۴۵ مدثر) اور ہنسی اڑانے والوں کے ساتھ مل کر رسول کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے۔ ایسے موقع پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۝" (مدثر آیت ۴۹)۔ کیا ہو گیا انھیں، یہ تذکرے سے کیوں بھاگ رہے ہیں۔؟ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ۝ (مدثر آیت ۵۰-۵۱) تیسری وحی، اور عرب کے وہ قبائل۔ وہ عرب کے گدھے، وہ عرب کے سردار جو ایک شیر سے بھاگ رہے ہیں۔ قسورۃ جمع کا صیغہ نہیں ہے۔ واحد کا صیغہ ہے، ایک شیر ایک شیر!۔

کسی نے امیرالمومنینؑ سے پوچھا، مولا! آپؑ نے اپنے آپ سے بڑھ کر بھی کسی کو شجاع پایا؟

کہا، ہاں، مجھ سے زیادہ شجاع، وہ میرے بھائی تھے، اللہ کے رسولؐ تھے، محمدِ عربیؐ تھے۔

آپ نے دیکھا، اب اس کی اصلاح کیجیے۔ جارحیت طلب نہیں ہے۔ وہاں جارحیت تھی، یہاں صلح جوئی تھی۔ ایسا نہیں ہے پیغمبرؐ اعلانِ حق کے لیے آیا ہے۔ اگر قیامِ حق کے لیے مکہ میں دل دُکھتا ہے کافروں کا، تو دُکھے۔ مدینہ میں دل دُکھتا ہے تو دُکھے اگر یہاں قیامِ حق میں کافر آستین چڑھاتے ہیں اور ابوطالبؑ سے کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ!

بھتیجے کی خبر لو۔ تو ابوطالبؑ یہ نہیں کہتے کہ بیٹے! تم جو کام کر رہے ہو صحیح ہے مگر کوئی درمیانی راستہ اختیار کر و نا۔

کیا یہ کہا ابوطالبؑ نے کہ کوئی درمیانی راستہ اختیار کر لو۔؟ کیوں اُن کو بُرا کہتے ہو؟

"نہیں" کہا بیٹے! جو آپؐ چاہیں، جس طرح سے آپؐ چاہیں تبلیغ کریں۔ بیٹے کو نہیں روکا۔ مگر اس طرف کہا کہ "خبردار! خبردار! اگر کسی نے اپنی نگاہ کو بدلنے کی کوشش کی تو وہ ابوطالبؑ کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائے۔

بھتیجا ایسا، چچا ایسے!!!

اب آپ دیکھیے یہ مکی زندگی۔ یہیں خیبر بھی ہے یہیں خندق بھی ہے یہیں حُنین بھی ہے، یہیں بدر بھی ہے۔ اس کی بنیادیں سب مکہ میں ہیں آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ مدینہ میں جا کر نبی بدل گیا۔ نہیں جو مکہ میں تھا، وہی مدینہ میں تھا۔ کیوں؟ فقط اس لیے کہ پہلی مرتبہ تسلیم کی منزل پہ ختمی مرتبتؐ نے اپنی گردن کو جھکایا تھا، اور یہ کہا تھا کہ:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

(سورۂ انعام آیات ۱۶۲-۱۶۳)

"بیشک، میری نماز، اور میری عبادت، اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو عالمین کا رب ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور پہلا مسلم تو میں ہوں۔" تسلیم کی منزل پر تو میں ہوں۔

آپ نے دیکھا کہ یہ وہ نبیؐ ہے کہ یہاں وقت کے ساتھ کیفیت نہیں بدلتی آغاز تسلیم، انجام تسلیم، مکہ میں تسلیم، مدینہ میں تسلیم، ہجرت کے موقع پر تسلیم اور پھر بدر ہو کہ اُحد، خندق ہو کہ خیبر، وہ حُنین کی منزل ہو یا سورۂ برأت کی آیتوں کا لے جانا، تسلیم تسلیم

ایسے رسولؐ نے یہ چاہا کہ تسلیم کا پیغام جائے۔ نواسے کو پالا اور سینے سے لگا کر کہا، حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنَ الْحُسَيْنِ۔ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں تسلیم۔ حسینؑ تسلیم کی منزل ہے اور یہ وہی منزل ہے کہ جہاں فاطمہؑ کا لال آخری سجدہ میں آج روزِ عاشور یہی کہتا ہے۔

صَبْرًا عَلَىٰ بَلَائِكَ وَتَسْلِيمًا لِأَمْرِكَ وَرِضًا بِقَضَائِكَ

میں تیرے حکم کے سامنے تسلیم کر رہا ہوں تیری رضا پر راضی ہوں تَسْلِيمًا لِأَمْرِكَ يَا غِيَاثَ الْمُسْتَغِيثِينَ۔ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے۔

اور یہاں سجدہ کیا۔ یہ تسلیم کی منزل تھی۔

میر تقی میرؔ نے کہا:

زیرِ شمشیرِ ستم میرؔ تڑپنا کیسا ❊ سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا

سجدہ کیا تسلیم کا سجدہ تھا اور تسلیم کے سجدے میں جان تھی تو یہ پہلے معنی ہیں اور اگر تسلیم کے معنی وہ ہیں جو کہا سلام کرو، جو سلام کرنے کا حق ہے تو پھر سلام کرو۔ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ عالمین میں نوحؑ پر سلام۔ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ، ابراہیمؑ پر سلام، سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام۔ سَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ۔ اللہ کے مصطفٰے بندوں پر سلام۔ حسینؑ ہمارا سلام قبول ہو۔ ہمارا سلام قبول ہو فاطمہؑ کی جان! یہ سوگوار جمع ہیں جہاں جہاں آواز جا رہی ہے وہاں وہاں سب سلام کریں حسینؑ کو سلام، عباسؑ کو سلام، علی اکبرؑ کو سلام، عونؑ و محمدؑ کو سلام، نہیں آگے بڑھ کر عابدِؑ بیمار کو سلام ہائے ثانی زہراؑ کی خدمت میں سلام، بی بی ام کلثومؑ کی خدمت میں سلام، سلام ہمارا اُن سروں پر جن سے چادریں چھین لی گئیں، سلام ہمارا اُن رُخساروں پر جن پر طمانچے مارے گئے، سلام ہمارا اُن بی بیوں پر جو جلتے ہوئے خیموں سے گھبرا گھبرا کر بچوں کو نکال رہی تھیں۔

حُجّتِ الٰہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا (ع ۲۳) وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰھُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْھُمْ عَلَیْکَ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا (سورہ نساء ع ۲۳، ۱۶۵)

میں حجتِ الٰہی کے عنوان پر گفتگو کر رہا ہوں۔ یہ سورۃ نساء کی آیات ہیں یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے تیری طرف وحی کی۔ جیسے نوحؑ کی طرف اور نوحؑ کے بعد جو انبیاء آئے۔ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، عیسٰیؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ اور داؤدؑ کو ہم نے زبور عطا کی، اسی طرح سے ہم نے تیری طرف وحی کی، ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال تم سے پہلے ہی بیان کر دیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال تم سے پہلے بیان نہیں کیا اور ہم نے اسی طرح موسیٰؑ سے بہت سی باتیں کیں، ہم نے ڈرانے والے رسول بھیجے، ہم نے بشارت دینے والے رسول بھیجے فقط ایک مقصد تھا کہ رسولوں کے آجانے

کے بعد پھر انسان اللہ کے سامنے کوئی حجت نہ کرے کہ ہمارے پاس کوئی ہادی یا تیری بھیجی ہوئی حجت نہیں آئی " ہمارے پاس تیرا کوئی ہادی نہیں آیا۔ ہم اس حجت کو ختم کرنا چاہتے تھے اس لئے یہ سلسلۂ نبوت اور اس سلسلۂ وحی کو باقی باقی رکھا۔

اور جب تیری طرف ہم نے وحی کی، تجھ کو خاتم بنایا، تجھ کو آخر بنایا، تجھے اشرف المخلوقات بنایا، انسان کو کائنات کا شرف بنایا اور انسان کا شرف تجھ کو بنایا۔ فخرِ عالم میں سب سے بہتر۔ یعنی ایسا معلوم ہو گا کہ اگر ہمارا مقصد عالمِ تجرید میں ہے تو وہ مقصد مجسم ہو اصورتِ محمدؐ ہیں۔ ارشاد ہوا اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ " (سورہ اعراف ع ۱۵)

وہ لوگ جو رسولؐ کی پیروی کرتے ہیں اس کا ذکر توریت میں بھی پاتے ہیں۔ اس کا ذکر انجیل میں بھی پاتے ہیں اس کا کام یہ ہے کہ وہ طیب چیزوں کو حلال کرتا ہے۔ اور خبیث چیزوں کو ناپاک چیزوں کی حرمت کا حکم دیتا ہے، تمہارے کاندھوں سے بوجھ ہٹاتا ہے، جن زنجیروں میں تم گرفتار تھے ان زنجیروں سے تم کو الگ کرتا ہے۔ اس کو یہ اختیار ہم نے دیا ہے کہ تمام قیامت تک کا جائزہ لے کر جس چیز کی حقیقت کو بہتر جانے، اس لئے کہ اس نبیؐ نے دعا کی تھی کہ "اے پروردگار مجھے حقیقت اشیاء دکھا۔" تو یہی کہہ سکتا ہے کہ یہ حلال ہے اس میں حرمت کا پہلو نہیں یہ حرام ہے اس میں عزت کا پہلو نہیں۔ یہ حجتِ الٰہی بن کر آیا اور قرآن مجید اس کا قصیدہ بن گیا۔

قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی توصیف کی اور یہ بتلانے کی کوشش کی کہ

یہ وہ نبیؐ ہے کہ جہاں ہم نے اس کو اپنی مرضی کا نمائندہ بنا کر اور پھر ایک ایسی منزل سرفراز کردی کہ اس کا نطق وحی بن گیا ارشاد ہوا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (سورۃ النجم ع ۱) " اور وہ تو اپنی نفسانی خواہش سے کچھ بولتا ہی نہیں " اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى (سورہ النجم ع ۱) یہ تو وحی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے " یعنی کہ وہ ہوا و ہوس سے بات نہیں کرتا تو ہادی کا فریضہ کیا ہے۔ ہادی کا فریضہ یہ ہے، ہادی کا کام یہ ہے کہ لوگوں کی ہوا و ہوس کو، ہدایت کی طرف لائے جب کہ دنیا ہدایت کو ہوا و ہوس کی طرف لے جائے۔

ہادی کا کام یہ ہے کہ جب وہ چاہتا ہے انسانیت کی رائے کو قرآن کا پابند کر دیتا ہے۔ جب دنیا یہ چاہتی ہے کہ قرآن، انسان کی رائے کا پابند ہو جائے یہ ہادی کا کام ہے اور اس فریضہ کو ادا کرتا ہوا چلا اور اس کے بعد اس کو تسلی دے دی گئی آخر کہا کہ اے حبیب! ایک بات ہے تم کو ایک چیز کا ڈر ہے اور ہم بھی اس کے متعلق پہلے ہی کہہ دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ۝ فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ ۔ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۔ (سورۃ حج آیت ۴۲ تا ۴۶) یہ سورۃ حج ہے اور اگر یہ تجھے جھٹلائیں اور اگر یہ تیری تکذیب کریں اگر یہ تجھے سچا نہ مانیں، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم کو جھٹلایا تو جن جن پر ہم نے وحی کی تھی پھر تم سے پہلے انھوں نے نوحؑ کو جھٹلایا ہے، ابراہیمؑ کو جھٹلایا ہے، انھوں نے صالحؑ کو لوطؑ کو اور موسیٰؑ کو جھٹلایا ہے، میں نے ان کو مہلت

دی مگر جب ہم نے ان کی گردنیں پکڑ لیں جب ہمارے پنجۂ قدرت میں وہ آگئے تو تم نے دیکھا کہ ہم نے کیا کیا، ہم نے کتنے شہر تباہ کر دیئے، کتنے تمدن تباہ کر دیئے۔ کتنی تہذیبیں تباہ کر دیں، کنویں تھے سنسان اور ویران، مکانات تھے الٹے ہوئے جن کی چھتیں زمین پر پڑی ہوئی تھیں، سارے تمدن ہم نے تباہ کر ڈالے، اس لئے کہ انھوں نے حجتِ الٰہی کو نہ مانا تھا، انھوں نے حجتِ الٰہی کو ٹھکرایا تھا، انھوں نے حجتِ الٰہی کی توہین کی تھی۔ ہم کچھ مہلت دیتے ہیں اس مہلت کو اگر کوئی ملوکیت سمجھے اس مہلت کو اگر کوئی شاہی سمجھے تو اور بات ہے مگر ہم نے تو مہلت دی تھی کہ دیکھو حجتیں ہماری آچکی ہیں۔ مخلوق کو پیدا کیا تو بے راہ جانے کے لئے پیدا نہیں کیا، مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اس واسطے نہیں کہ ان کو نشان اپنی منزل کا نہ بتلائیں، نبی پر نبی بھیجے، ہم نے رسول بھیجے کہ ہم نے اپنے قول کو وصل دے دیا ہے کہ ایک کے بعد ایک آیا اور ایک کے بعد ایک حجتِ الٰہی آئی۔ کئی ہیں آئیں، اور اگر اس کے بعد بھی تیری تکذیب کریں اور تجھے جھٹلائیں تو گھبرانا نہیں اوروں کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔ اور ہم نے مہلت دے کر سزا دی تو خالق کا ایک نوری دن ہزاروں برس کے برابر ہوتا ہے ارشاد ہوا، وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (سورہ حج آیت ۴۷) تمہارے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے ہزاروں برس کے برابر ہوا کرتا ہے یہ معلوم نہیں کتنی مہلت دے اور معلوم نہیں کب تک اک مرتبہ کہ اس کے پنجۂ قدرت میں سب آجائیں، یہی وہ منزل ہے کہ بدترین گناہ انسانیت کا تکذیبِ رسولؐ ہے تکذیبِ حجت ہے، تکذیبِ آیاتِ الٰہی ہے۔

ارشاد ہوا إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ (آلِ عمران آیت ۴)، بدترین عذاب ہے ان کے لئے جو اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑائیں

جو اللہ کی آیتوں کی توہین کریں، یہ حجتِ الٰہی بن کر آئے اور یہ بتلایا کہ امت اختیار دے کر آیا ہوں کہ جو چاہوں وہ کہوں جس راستے پر ڈال دوں اسے ماننا پڑے گا۔ اور پھر یہ اختیار مجھے سلسلے سے ملا ہے، آدمؑ کو ملا، نوحؑ کو ملا، ابراہیمؑ کو ملا، موسیٰؑ کو ملا، ایوبؑ کو ملا سلیمانؑ کو ملا داؤدؑ کو ملا، سب کو ملا مجھے ملا، اور اگر یہ اختیار میں کسی کے حوالے کروں تو اس یقین کے ساتھ حوالے کروں گا کہ کس کو اپنا بدل بناؤں، کس کو اپنی منیت کی منزل پر لاؤں تو یقیناً مجھے اس بات کے بتلانے کا حق ہے کہ حجتِ الٰہی کے بغیر چونکہ زمانہ نہیں رہتا اس لئے اگر مہلت ملے تو کوئی آکر پھر سمجھائے، کوئی آکر پھر بتلائے، اس واسطے اپنی گود میں پرورش کرکے میں نے امت کے حوالے کیا ہے حسینؑ کو، یہ مقامِ منیت ہے، حجتِ الٰہی بن کر آیا ہے۔ اسی منزل پر اقبال کو کہنا پڑا۔

درمیانِ امت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ہو اللہ در کتاب

حسینؑ امت کے درمیان ایسے ہیں جیسے قل ہو اللہ قرآن کے درمیان ہے حسینؑ نے یہ بتلا دیا کہ تکذیبِ آیاتِ الٰہی کا انجام بڑا دردناک ہے۔ حسینؑ پیغامِ رسولؐ کو آگے بڑھانے والے ہیں۔ حسینؑ مقصدِ رسولؐ کو باقی رکھنے والے ہیں حسینؑ حجتِ رسولؐ کی دلیل ہیں، حسینؑ نے واضح کر دیا کہ جس کو حلال کیا ختمی مرتبت نے اب وہ قیامت تک حلال ہے، جس کو حرام کیا تھا وہ قیامت تک حرام ہے اب شاہی کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی، اب ملوکیت کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی، اب ملوکیت کو اس امر کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ قرآن کو رائے کا پابند کر دے، وہ قرآن کو اپنی ہوس کا پابند کر دے اس لئے کہ میں حجتِ الٰہی کی جگہ ہوں۔ جہاں کہ اقبال کہتے ہیں

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

خاست آں سر جلوۂ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
برزمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خونِ او چمن ایجاد کرد

جب مسلمانوں کی خلافت نے قرآن سے رشتہ توڑا اور ملوکیت کی بنیاد پڑی تو قرآن ناطق کا نواسہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا خون دے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے استبداد کے زور کو توڑ دیا۔ ایک خوب بادل تھا کہ صحرائے کربلا میں برسا اور ویرانہ میں لالہ کاری کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گلشن اسلام کی سیرابی کا سامان کر دیا۔

حسینؑ ابن علیؑ نے کربلا میں اس انداز سے قیام کیا اور اس قیام کی منزل پر امام کا یہ ارشاد کہ اگر محمدؐ کا دین بغیر میرے قتل کے قائم نہیں رہ سکتا تو اے تلوارو میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو،

ان کان دین محمد لم یستقم
الا بقتلی یا سیوف خذینی

اولین و آخرین میں کسی نے یہ آواز نہیں دی کہ اگر دین محمدؐ سوا میرے قتل کے قائم نہیں ہو سکتا تو اے تلوار و میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، مجھ پر حملہ کرو اور مجھے تم جس طرح سے چاہو زخمی کرو، جس طرح سے چاہو لہو بہاؤ، جتنے عزیزوں کو چاہو قتل کر ڈالو، مگر میں چاہتا ہوں کہ دین محمدؐ رہ جائے۔

اور دین محمدؐ رہ گیا زہراؑ کا بھرا گھرانہ کربلا میں کٹ گیا، ان میں ایک چھ

مہینہ والا بھی تھا، کون؟ وہ ربابؑ کا لال علی اصغرؑ، شہادت عظمیٰ پر ایک کتاب حسینؑ نے لکھ دی۔ بہت غور سے سنتے جائیے، ۲۸ رجب کو مدینہ سے سفر کیا تیسری شعبان کو مکہ پہنچے، مدینے سے نکلتے ہوئے خطبہ دیا، مکہ میں پہنچ کر خطبہ دیا، ۸ ذی الحجہ کو مکے سے چلے خطبہ دیا، راستے میں خطبہ دیا، دوسری محرم کو کربلا پہنچے خطبہ دیا، نویں محرم کو خطبہ دیا، حسینؑ نے ایک کتاب لکھی، جس میں ابواب قائم کئے، یہ باب شہادت عباسؑ ہے، یہ باب شہادت عونؑ و محمدؑ ہے، یہ باب شہادت قاسمؑ ہے، یہ باب شہادت علی اکبرؑ ہے۔ اب کتاب شہادت جب ختم کے قریب آئی تو اس کتاب کا آخری باب تھا، چھ مہینے کے بچے کی شہادت۔

پیارے صاحب رشیدؔ مرحوم، میر انیسؔ کے نواسے، مشہور شاعر، مشہور مرثیہ گو مشہور رباعی گو شاعر، بہترین سلام پیارے صاحب رشید نے کہے ہیں، ایک شعر سلام میں کہا اگر آپ یاد رکھ سکیں

یہ سمجھ کر لے گئے ہمراہ اصغرؑ کو حسینؑ
قید میں بانو سے یہ بچہ نہ پالا جائیگا

شہزادے کے متعلق بہت سی باتیں ہیں، مگر میں اس منزل پر یہ عرض کرونگا کہ دل اور ام ربابؑ کا دل، بچہ پیاسا تھا، ماں نے باپ کے حوالے کر دیا، دھوپ بہت تیز تھی، حسینؑ نے علی اصغرؑ کو عبا کے دامن میں چھپایا تھا۔ بچے کو لے کر فوج شام کے سامنے آئے، میرا علی اصغرؑ پیاسا ہے اسے تھوڑا پانی پلا دو۔ میر انیسؔ مرحوم کہتے ہیں۔

صدمے سے پیاس کے رخ معصوم تھا جو زرد
حضرت فلک کو دیکھ کے بھرتے تھے آہ سرد
بجلی جب اس کو آتی تھی اٹھتا تھا دل میں درد

آنسو رواں تھے آنکھوں سے رخ پر جمی تھی گرد

پانی کی جستجو تھی شہ خوش صفات کو

تکتے تھے بچشمِ یاس سے نہرِ فرات کو

اس منزل پر کہا علی اصغرؑ تم حجت الٰہی کے پسر ہو، علی اصغرؑ ان پر حجت کو تمام کرو، دیکھا آپ نے یہ ہے حجت الٰہی جو بیٹے سے کہہ رہا ہے، میرے لال ان پر حجت کو تمام کرو، بچے نے خشک زبان سوکھے ہوئے ہونٹوں پر پھیری، یہ علی اصغرؑ کا جہاد تھا، لشکر کے لوگ منہ پھیر کر رونے لگے، اس منزل کے لئے مرحوم قمر جلالوی نے شعر کہا تھا

اصغرؑ کلیجہ تھام کے رو دی ہے فوج شام

تم تیر کھا کے آئے ہو یا تیر مار کے

حرملہ نے حجتِ الٰہی کو یہ جواب دیا تھا

تیر ابرو کمان کو مارا

پھر پیمبر کی جان کو مارا

حسینؑ بچے کی لاش سینے سے لگائے ہوئے درِ خیمہ پر آئے، کبھی آگے بڑھتے، کبھی پیچھے ہٹتے اور ہر قدم پر کہتے جاتے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ رِضًا بِقَضَائِہٖ تَسْلِیْمًا لِاَمْرِہٖ۔

اور ایک مرتبہ عزم و ہمت کے ساتھ درِ خیمہ پر آواز دی، امّ رباب اپنے بچے کو لے جا، امّ ربابؑ درِ خیمہ پر آئیں تو بے اختیار حسینؑ نے کہا، امِّ ربابؑ میں کون ہوں؟ بی بی نے جواب دیا کہ آپؑ امام وقت ہیں، کہا ربابؑ جو کہوں گا، صبر کرو گی؟ آپؑ میرے آقا ہیں۔ کہا اچھا یہ امانتِ پروردگار ہے اسے گود میں سنبھالو، اب بچہ امّ ربابؑ کی گود میں ہے۔ حسینؑ نے زیرِ قنات ایک ننھی سی لحد بنائی ایک چھوٹی سی قبر بنائی، ربابؑ لا میرے بچے کو مجھے دے دے،

ماں کی آنکھوں کے سامنے بچہ دفن ہو گیا۔

مگر حسینؑ جب بچے کو دفن کرنے لگے، فرات کی طرف رخ کر کے عباسؑ کو آواز دی، یہ بیٹے کو دفن کرتے ہوئے چھوٹے بھائی کو آواز کیوں دی؟

جب ختمی مرتبتؐ کے فرزند ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو رسولؐ نے علیؑ کو بلا کر کہا، علیؑ باپ کے لئے یہ بہت مصیبت ہے کہ وہ بیٹے کو دفن کرے، علیؑ جاؤ، میرے لال کو غسل و کفن دے کر تم دفن کرو، چھوٹا بھائی موجود تھا، بڑے بھائی نے حکم دیا، چھوٹے بھائی نے بھتیجے کو دفن کیا۔

حسینؑ تنہا رہ گئے علی اصغرؑ دفن ہو گئے تھے

کہتے کہتے کچھ زبانِ بے زبانی رہ گئی

تیر کھا کے سو گئے اصغرؑ کہانی رہ گئی

عقل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد ہوا نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورہ روم آیت ۲۸)

ہم عقل والوں کے لئے اپنی آیات مفصل بیان کرتے ہیں۔ جوہرِ انسان عقل ہے اس لئے انسان اپنے ہر عمل میں تابع عقل ہوتا ہے۔ اس کا خواب و بیداری اس کی صحت و مرض۔ اس کا سکون و اضطراب، وسائل رزق کی تلاش، توالد و تناسل غرض اس کا ہر حکم ہر عمل عقل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ حیوانات سے ممتاز ہے۔ درآنحالیکہ یہی تمام اعمال حیوانوں سے بھی متعلق ہیں۔ انسان کو حیوان اس لئے نہیں کہتے کہ وہ زیورِ عقل سے آراستہ ہے۔ جس طرح انسان تابع عقل ہو کر اپنے ہر عمل میں حیوانات سے ممتاز ہے۔ اسی طرح نبی تابع وحی ہو کر اپنے ہر کام میں دنیا کے انسانوں سے بلند ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ بشرٌ مثلکم کہہ کر جنس کا اعلان کرتا ہے مگر یوحیٰ الیّ کے فصل کے ساتھ حیوان و انسان میں فصل عقل ہے اور انسان و نبی میں فصل وحی ہے۔ اور چونکہ وحی شارح اسرار حیات ہے اور وجود کی حقیقتوں کو منکشف کرتی ہے۔ اور ہم جو زمان و مکان کے اسیر ہیں۔ اسی وحی کی بدولت ہر غیب سے قریب ہو جاتے ہیں اس لئے صاحب وحی کو یہ فکر ہے کہ کہیں انسان اپنے عقل کو جذبات بہیمیت و حیوانیت کا تابع بنا کر جاہلیت کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ

حقیقت ہے کہ جذبات انسان کے قوی ہیں۔ اگر یہ انسان ہوا و ہوس کی زد میں آجائے اور خواہشات نفس کا پابند رہے تو وہ چونکہ صورت میں انسان ہی رہے گا اس لئے اگر وحی معیار عقل کو واضح نہ کر دے تو دوسرے انسان نہ اس خود کار انسان کی حیوانیت سے آگاہ ہو سکیں گے اور نہ اپنے آپ کو متمدن قوتوں کے اثر سے بچا سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ وحی ربانی نے مختلف مقامات پر انسانی عقل سے اپیل کی عقل و تعقل کی اہمیت کو واضح فرمایا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورہ بقرہ ۱۶۴)

زمین و آسمان کی خلقت، رات اور دن کا اختلاف، دریاؤں میں کشتیوں کی فائدہ مند حرکت، بلندیوں سے پانی کا نزول، مردہ زمینوں کی دوبارہ زندگی، ہر حیوان کی حیات ہواؤں کا تصرف، بادلوں کا زمین و آسمان میں مسخر ہونا۔ ان سب میں نشانیاں ہیں مگر اس قوم کے لئے جو عقل سے کام لے

سورہ رعد اور سورہ روم میں دیگر مظاہر و نوامیں قدرت کو پیش کیا گیا اور پھر یہی ارشاد ہوا کہ یہ آیتیں عقل سے کام لینے والی قوم کے لئے ہیں سورہ حج میں ارشاد ہوا۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔ (سورہ حج آیت ۴۶)

کیوں وہ زمین میں سیر نہیں کرتے، زمین پر بسنے والوں کے ماضی و حال پر ان کی نظر کیوں نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان کے دل تعقل کرتے۔ ان کے کان سنتے

اور محفوظ کرتے۔ اس لیے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں سینے میں دل اندھے ہو جاتے ہیں۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (سورہ بقرہ آیت ۱۷۱)

نہ ماننے والوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے جانور جو سوا اس آواز کے اور کچھ نہیں سنتا جس سے اس کو بلایا جائے۔ بہرے گونگے اور اندھے ہیں اس لیے کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

سورۃ انفال میں ارشاد ہوا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ (سورہ انفال آیت ۲۲)

اللہ کے نزدیک چوپاؤں سے بدتر وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے

سورۃ الملک میں ارشاد ہوا۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (سورۃ الملک آیت ۱۰)

اگر ہم سنتے اور عقل سے کام لیتے تو ہم اہل جہنم سے نہ ہوتے۔

سورہ حشر میں ارشاد ہوا۔

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ (سورہ الحشر آیت ۱۴)

تم خیال کرو گے کہ سب کے سب یک جان ہیں مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (سورہ زمر آیت ۱۸)

بشارت دو میرے ان بندوں کو جو قول کو سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں ان ہی کی اللہ نے ہدایت کی ہے۔ اور یہی صاحب عقل ہیں۔

انسان پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا کرم یہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل عطا کر کے بندے اور خدا کے درمیان اس کو حجت باطن قرار دیا کہ ربط اشیاء کو دیکھ کر اور وحدت نظام و دوام انتظام عالم کا اندازہ کر کے کوئی ذی عقل انسان وجود باری کا منکر نہ بنے اور پھر اس پر لطف الٰہی یہ ہے کہ انسانوں میں سے ان بندوں کو اختیار کیا جن کی عقل تابع وحی ہو کر کبھی ہوا و ہوس کا شکار نہیں بنتی۔ ایسے بندے اللہ اور انسانوں کے درمیان حجت ظاہری قرار پائے۔ اس لئے درس حیات انسانی کو کتاب العقل سے شروع کرنا چاہیئے۔ تاکہ عقل توحید کی طرف مائل ہو اور پھر خالق کل اس انسان کو اپنی پسند و ناپسند اپنی خوشی و ناراضی کے اسرار سے آگاہ کرے اور یہ علم و اطلاع یہ آگاہی و خبر بذریعہ انبیاء انسانوں تک پہنچے پہلے پہل سادہ قوانین فطرت پر چلنے والا انسان بدعہدی، جھوٹ، ظلم، چوری، قتل کو برا سمجھنے والا فطرتاً دین حنیف کی طرف مائل ہوتا ہے اس لئے کہ عقلاً اسی میں اس کی اپنی اور جماعتی حفاظت اور ترقی کا امکان ہے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (سورہ انعام آیت ۷۹)

میں نے کل کے پروردگار کی طرف توجہ کی ہے اور میرا رخ صرف آسمان و زمین کے خالق کی طرف مستقیم ہے میں مشرک نہیں ہوں۔ ایک جہت راست ایک سمت صحیح جب خالق کے لئے ہو۔ اور انسان اسی سمت پر حرکت کرے تو اس انسان کی حیات عقلی کا آغاز ہوتا ہے اور یہی حیات عقلی عصمت و طہارت کی زندگی بن کر حیات اخلاق و معنوی بن کر موت کے چنگل سے آزاد ہو جاتی ہے۔ زمان و مکان

کی قید سے رہا ہو کر اس کا اثر دائرہ لامحدود ہو جاتا ہے۔

اِنِّی ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّی سَیَهْدِیْنِ (سورۃ الصافات آیت ۹۹)

میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں البتہ وہی میری ہدایت کرے گا۔ یہ آواز صرف ابراہیمؑ کی نہیں آل ابراہیم کے ہر شخص کی ہے جو ظلم سے دور رہا جس نے غیر حق کی پرواہ نہ کی جس کو کوئی ڈرانے والا ڈرا نہ سکا۔ اور نہ ملامت کرنے والوں کی ملامت اس کو راہ حق سے ہٹا سکی اور وہ فخر ابراہیم آواز دے رہا

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (سورہ انعام آیت ۱۶۲-۱۶۳)

میری نماز دعا میری اطاعت میری موت میری حیات سب اللہ ہی کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلم ہوں۔ یہ تسلیم کی وہ منزل ہے جہاں ارادہ محدود بشر ارادہ لامحدود الٰہی کے تابع ہو گیا۔ اور یہی گذرگاہ ہے۔ جہاں تسلیم عقلی سے گذر کر انسان تسلیم قلبی کی منزل پر آتا ہے کہ سارے احساسات و عواطف تابع مرضی خالق ہو جاتے ہیں۔ اور مفادات ذاتی مصالح وقتی اور توجہات شخصی سے ایسا انسان بلند ہو کر ہر آن وہ ہر لحظہ حضوری خالق کی کیفیت کو محسوس کرتا ہے اس کا خواب و بیداری سب ایک ہو جاتی ہے جب وہ اپنے رب کی طرف جاتا ہے تو خداوند عالم اس کو ایک فرزند حلیم کی بشارت دیتا ہے۔ اور جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتا ہے تو ابراہیم جیسا باپ اپنے خواب کا تذکرہ کرتا ہے کہ گویا میں تم کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر رہا ہوں۔ گویا یہ خواب عین بیداری ہے کہ نبی سے بیٹے نے جو خود نبی ہے یہ کہا کہ آپ کو جو حکم ملا ہے اس کو آپ پورا کریں۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ (سورہ الصّٰفٰت ۱۰۵-۱۰۷)

تسلیم قلبی کا کمال یہ ہے کہ راہ حق میں مرضی حق کو پا کر سب کچھ قربان کر دیا جائے اور ہر قربانی پر قلب اس آواز کو سنتا ہے قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ جب اس طرح راہ حق میں آگے بڑھنے والا سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف جاتا ہے تو زمان و مکان سے بلند ہو کر قرب حق حاصل کرتا ہے۔ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ آل ابراہیم میں فخر ابراہیم یعنی ذات ختمی مرتبت نے یہی چاہا کہ تسلیم کی منزل کامل ہو جائے اور جس کو وہ جنتؑ کی منزل عطا کریں اور جس کی شہادت ان کی اپنی شہادت علمی و عقلی کے لئے ضروری ہو ایسے کو اس ذبح عظیم کے لئے پسند کریں۔ جس کی یاد آج منائی جا رہی ہے۔ اور قیامت تک یہ یاد منائی جاتی رہے گی۔ حسینؑ فاطمہؑ کے نور نظر حسینؑ، علیؑ کے لخت جگر حسینؑ محمدؐ کے نواسے حسینؑ نے رہ تسلیم میں بیعت یزید سے انکار کیا۔ اور اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ کہتے ہوئے ۲۸ رجب ۶۰ھ کو مدینے سے چلے۔ ماں کی قبر، بھائی کی لحد، نانا کا مزار چھوڑا انکا و پاس سے مدینہ میں رہ جانے والوں نے امام کو دیکھا کہ دیکھیں اب مسافر کب آتے ہیں۔ ۳ شعبان کو حسینؑ ابن علیؑ مکہ پہنچے، اس خیال سے کہ حاکم وقت کی نگاہ ذاتی مفادات کے سلسلے میں مکہ کا احترام باقی نہ رکھے گی۔ اور کہیں خانہ خدا کی حرمت ضائع نہ ہو حسینؑ ابن علیؑ ابن عباس سے یہ کہہ کر چلے کہ منا و کربلا پہنچ کر وعدہ طفلی ادا کرنا ہے اور ۷۲ قربانیوں کو پیش کرنا ہے۔ ۸ ذی الحجہ کو مکے سے کوچ کیا۔ ۹ ذی الحجہ کو سفیر آل محمدؐ مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر ملی۔ ۱۰ ذی الحجہ کو میثم تمار قتل کر دیئے گئے۔ ۲ محرم کو وعدہ گاہ پر فاطمہ کا لال پہنچا حسینؑ نے ایک

بستی بسائی خیمے نصب ہوئے۔ ہر محرم سے لشکر آنے لگے۔ ۷ محرم کو پانی بند ہوا گرمی کے دن بچوں کی پیاس، ماؤں کا تڑپنا، گودیوں کے خالی ہو جانے کا خوف، غرض راہ حق کے مسافر کے لئے ہر قدم پر صعوبتیں تھیں اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ نویں محرم کو حسینؑ لشکرِ اعدا میں گھر گئے۔ ایک رات کی مہلت اور دی۔ شاید کوئی مردِ آزاد فکرِ حق کی طرف آ کر مثالی نمونہ بن جائے دسویں محرم کی صبح سے لڑائی شروع ہوئی۔ ہزاروں تیر پہلے ہی حملے میں لشکرِ مخالفت کی سمت سے چلے ۳۲ انصار وہیں تڑپ کر مر گئے پھر بچپن کے ساتھی چلے، طفلی کے رفیق چھوٹے۔ عزیزوں کی باری آئی۔ پنجتن پاک کے نمائندے کربلا میں موجود تھے حسین ابن علیؑ ختمی مرتبت کی نمائندگی کر رہے تھے علی اکبرؑ حسینؑ کے نمائندے تھے عباسؑ علیؑ کے اور قاسمؑ امام حسنؑ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ فاطمہؑ کی نیابت زینبؑ کر رہی تھیں علی اکبرؑ میدان میں گئے حسینؑ نے صبر کی داد دی اور بیٹے کی لاش خود اٹھا لائے۔ قاسمؑ ابن حسنؑ کی لاش پامال ہو چکی تھی حسینؑ نے اس کو رکھ کر عبا میں اٹھایا۔ بھانجوں کی لاشیں آئیں تو زینبؑ نے شکر کا سجدہ ادا کیا۔ عباسؑ دریا پر علم گاڑ کر سو گئے۔ چھ مہینے کا بچہ علی اصغرؑ تیر کا نشانہ بنا۔ مقتل میں اس کی قبر بنا دی عصر کا وقت آتا چلا۔ حسینؑ ابن علیؑ ذبح عظیم کی منزل پر آئے۔ دعائے ابراہیمؑ و محمدؐ کی تکمیل کا وقت آیا۔ رک کر لاشوں پر نظر کی آواز دی۔

یا ابطال الصفا و یا فرسان الھیجا باقی

انا دیکم فلا تجیبونی ۔ انا من ناصر ینصرنا

میر انیس کہتے ہیں۔

ناگاہ سوئے لاش پسر جا پڑی نظر

فرمانے سر کو پیٹ کے سلطان بحر و بر

سوتے ہو کیا دھرے ہوئے رخسار خاک پر

اکبرؑ اٹھو کہ گھوڑے سے گرتا ہے اب پدر

بھوکے پدر کو نیند میں قربان آپ کے

آؤ نماز عصر پڑھو ساتھ باپ کے

پھر دریا کی طرف دیکھا اور آواز دی۔

عباسؑ نامدار ترائی سے اٹھ کے آؤ

پھلکتا ہے قلب چل رہے ہیں تیغ کے گھاؤ

پھر لاؤ میری زرہ پہ جو پانی کہیں سے پاؤ

چلتے ہوئے عدم کے مسافر سے مل تو جاؤ

ہم سب کے کام آئے ہیں بیٹھے ہیں روتے ہیں

بارہ پہر ہوئے کہ نہ لیٹے نہ سوئے ہیں

خیمے میں کہرام مچا ہوا تھا۔ سب کو امر بہ صبر فرمایا۔ عابدؑ بیمار کے سرہانے آئے۔ ان کو خدا حافظ کہا۔ زینبؑ کو دیکھ کر بولے۔ ہم نے قافلہ کو مدینے سے کربلا تک پہنچایا ہے۔ اب تمہارا کام ہے کہ تم اس قافلے کو شام اور شام سے مدینے جاؤ اور جب مدینہ جانا تو میرے نانا کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ حسینؑ نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔

سب کو خدا حافظ کہا خیمے کے پردے کے قریب آئے۔ آواز دی کوئی ہے ہماری سواری لانے والا؟ کوئی نہ تھا گھوڑا گردن ڈالے قریب آیا آپ سوار ہوئے ناگاہ ایک بچی کی آواز آئی۔ ٹھہر و بابا۔ حسینؑ گھوڑے سے اتر پڑے بچی کو پیار کیا اور کہا سکینہ، عینی لعلی اُبیک بالماء مجھے چھوڑ دو میں شاید پانی لا سکوں۔ بچی نے باپ کو خدا حافظ کہا۔ دم بخود دروازۂ خیمہ پر آ کر چپ کھڑی ہو گئیں۔ اس

اس انتظار میں کہ باپ آئیں گے حسینؑ گئے کربلا کے میدان میں شام ہو گئی حسینؑ نہ آئے خیمے جلے، بچوں نے طمانچے کھائے۔ مگر امام حسینؑ نہیں آئے۔ اندھیرا ہو گیا علیؑ کی بڑی بیٹی نے بچوں کو جمع کرنا شروع کیا۔ جب باہر میدان میں سب ایک جگہ جمع ہوئے تو زینبؑ نے دیکھا کہ سکینہ نہیں ہیں۔ ہر طرف آواز دیتی ہوئی چلیں۔ سکینہؑ، سکینہ، دریا پہ جا کر پکارا عباسؑ! کیا وہاں سکینہ آئی ہے۔ مقتل میں آئیں۔ بچی کو پکارا۔ آواز آئی آہستہ بولو بہن۔ سکینہؑ یہاں ہمارے سینے پر سو رہی ہے۔ زینبؑ نے سکینہ کو چونکایا شانہ ہلا کر کہا چلو بچے اکیلے نہیں سوتے۔ گھبرا کر کہا پھوپھی اماں! میرے بابا اکیلے ہیں۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ (شعراء)

صبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالْعَصْرِ۔ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورۃ العصر)

شرافتِ انسان کا اعلان کرتے ہوئے قرآن نے بعض ایسے فضائل معین کر دیئے اور بعض ایسی خصوصیتوں کا انسان کے لئے وجوب ثابت کیا کہ جن کے فضائل وخصوصیات کی بنا پر انسان کی انسانیت ساری موجودات میں محلِ ذکر و فکر بن گئی، ان تمام فضائل نفسی، ان تمام حسنات و کمالاتِ نفسِ انسانی میں ایک اہم منزل ایک اہم منزلت ایک اہم مقام شرافت صبر قرار پایا۔ صبر صرف انسان ہی کے لئے ہے۔ نہ حیوان کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، نہ فرشتوں کے لئے۔ حیوان کے لئے یہ استعمال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ صبر بدون تعقل نہیں، صبر بغیر علم نہیں جتنا علم کمال پر جائے گا اسی قدر صبر منزلِ تکمیل پر پہنچے گا۔

اور پھر صبر قیام ہے یعنی ایک لشکر کا دوسرے لشکر کے مقابل میں قیام کرنا صبر ہے، یعنی باطل کے مقابلے میں حق کا قیام صبر ہے کذب کے مقابل میں صدق کا قیام صبر ہے، ظلم کے مقابل عدل کا قیام صبر ہے، ناحق کے مقابل میں حق کا قیام صبر ہے، کیونکہ حیوانیت کے لئے بہیمیت کے لئے نہ علم ہے اور نہ قیام تصور میں آ سکتا ہے۔ اس لئے حیوانیت کے واسطے یہ صفت کبھی مذکور نہیں ہوئی۔

اور ملائکہ کے لئے لفظ صابر اس لئے نہیں آیا کہ ملائکہ یہاں مقامِ تقرب میں جمالِ حضرت احدیت میں فیض یاب و فیض کام ہیں۔ وہاں نہ شہوات ہیں نہ خواہشات

ہیں کہ ان پر قابو پانے کے لئے صبر کی ضرورت ہے۔ اس لئے ملائکہ سے صفت خواہش کو لے کر اس صبر کو ضروری نہ جانا۔ یہ فقط ایک انسان ہی ہے جس کے لئے صبر لازم قرار پایا۔ اور اس لئے لازم قرار پایا کہ اگر مصیبت پر مردوں کی طرح صبر نہیں کرتا تو احمقوں کی طرح مصیبت کو بھلانا پڑتا ہے۔

ایک عظیم منزل ہے صبر کی یہ عجیب صفت ہے۔ قرآن مجید نے ۷۰ سے زیادہ مقامات پر صبر کا ذکر کیا ہے انبیاء کے ساتھ اس صفت کو موصوف کیا۔ اور ہر نبی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بزرگی کی صفت صبر کو ظاہر کیا تے ہوئے کہا اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا (سورہ ص آیت ۴۴) ہم نے اس کو صابر پایا۔ ختمی مرتبتؐ کے لئے ارشاد ہوا۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (سورہ احقاف آیت ۳۵) اسی طرح صبر کرو جس طرح اولی العزم انبیاء نے صبر کیا۔ تو آپ نے دیکھا کہ فقط انسان کی شرافت صبر نہیں ہے بلکہ اولی العزم کا کمال اور ان کے پہچانے جانے کی ایک صفت صبر ہے انبیاء پہچانے جاتے ہیں صبر سے۔

باپ نے بیٹے کو خواب سے آگاہ کیا۔ بیٹا بھی نبی، باپ بھی نبی، بیٹا نبوت کی اس منزل پر فائز ہے کہ فرمایا کہ ہم نے بچپن ہی میں اسے قوتِ فیصلہ عطا کر دی تھی۔ جب باپ نے بیٹے سے کہا يٰبُنَيَّ اِنِّىٓ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى (سورہ صافات آیت ۱۰۲) میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، بتاؤ تم کیا سمجھتے ہو تمہاری رائے کیا ہے۔ بتاؤ تمہاری مرضی کیا ہے تو بیٹے نے کہا يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِىٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (صافات ع ۱۰۲) بابا جو حکم ملا ہے اس پر عمل کیجئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ کوشش تو میری ہوگی مگر صبر چاہنا اس کا ہے۔ اگر یہ نبی کی زبان ہے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔

حضور ختمی مرتبتؐ نے ارشاد فرمایا صبر کی دو قسمیں ہیں، دو صورتیں ہیں، ایک یہ

کہ صبر کرے اس چیز پر جو تجھے پسند نہ ہو، بات تکلیف دہ ہو اور وہ بات سامنے آئے تو صبر کرے، دوسری یہ کہ کوئی چیز جسے تو بہت پسند کرتا ہے نہ ملے تو نہ ملنے پر صبر کرے فرمایا: یاد رکھو صابر کے لئے ظفر لازمی ہے۔ صابر کی فتح اور کامیابی لازم ہے اگرچہ زمانہ طول کھینچ جائے۔ زمانہ طولانی ہو جائے مگر جب بھی صابر کا ذکر آئے گا ظفر اور فتح کے لئے ہوگا، نصرت و کامیابی کے ساتھ ہوگا۔ اس کی نصرت و کامرانی ہمیشہ خود اس کے صبر میں رہے گی۔ فرمایا "یاد رکھو مردانہ وار صبر کرنا سیکھو ورنہ گزرتا ہوا زمانہ خود مصیبتوں کو بھلا دیتا ہے۔ جب بھولنا ہی ہے مصیبت کو تو ایک حق کیوں نہیں پیدا کرتے صبر کر کے۔ یہ وہ منزل ہے جہاں معصوم صبر کو سمجھانا چاہتا ہے۔ صبر کی تعریف فرما رہا ہے کہ صبر جوہر انسان ہے۔ قرآن مجید میں عجیب مقامات پر صبر کا ذکر آیا ہے۔ سورۂ بقرہ سے مسلسل صبر کی آیتیں شروع ہوتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے "اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (سورہ بقرہ ۱۵۳) مدد طلب کرو صبر سے اور صلوٰۃ سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے "مَعَ الْمُصَلِّيْنَ" نہیں کہا۔ عجیب منزل ہے معنی یہ نہیں کہ صلوٰۃ کا درجہ کچھ کم ہے۔ نہیں آغازِ صلوٰۃ صبر ہے۔ قیامِ صلوٰۃ صبر ہے نماز کو قائم نہیں کر سکتا مگر صابر۔

اب جو کوئی کسی کیلئے کہے اَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ (زیارت ناحیہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے نماز کو قائم کیا۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تو صابر تھا۔ تجھ سے بڑھ کر صابر نہیں ہو سکتا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔ اس کی معیت تو ویسے یوں تو ساری کائنات کے ساتھ ہے مگر یہ کہنا کہ ہم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں اس کے معنی ہی یہ تھے کہ اس کی مخالفت میں قیام کرے گا جو صبر کی مخالفت میں اعلانِ جدال کرے گا ہم اسے پسند نہیں کریں گے ہم اسے محبوب نہیں رکھیں گے، ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ ہمارا بندہ توہین اٹھائے ذلت پائے، ہمارا بندہ نگاہ خلق میں سبک قرار دیا جائے، ہم ساتھ ہیں صبر

کرنے والوں کے ہماری قیومت ساتھ ہے۔ ممکن ہے تو شہید ہو جائے مگر جب تک ہم چاہیں گے تیرا نام رہے گا۔ اور فوراً کہا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (سورہ بقرہ ۱۵۴) اور خبردار یہ نہ کہنا کہ مردگانِ راہ خدا کشتگان راہ خدا مردہ ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں لیکن تم کو شعور نہیں ہے۔" تم نہیں جانتے ہو اور یہ طے ہو چکا ہے کہ ہم امتحان لیں گے، ہم بغیر امتحان کے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نے کسی کو بھی بغیر امتحان کے نہیں چھوڑا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِينَ (سورہ بقرہ ۱۵۵) ہم امتحان لیں گے۔ خوف سے بھوک سے، اموال اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے، ہم امتحان کی منزل پر جب پہنچا دیں گے تو خوشخبری سنا دو صبر کرنے والوں کو کہ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (سورہ بقرہ ۱۵۶) جو مصیبت پڑنے کے وقت کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہم اس کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں۔" جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو ان کو دو باتوں کا احساس ہوگا، ایک یہ امر کہ میں کسی اور کی ملکیت میں ہوں، صابر کا یہ احساس ہوتا ہے کہ مجھے یہاں رہنا نہیں ہے پہلے احساس کے لئے کہا اِنَّا لِلّٰہِ، ملکیت اس کی ہے اور چونکہ رہنا نہیں ہے، اس لئے کہا وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ وہ منزل ہے جہاں صابروں کو بشارت ہو اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ (سورہ بقرہ ۱۵۷) انہی پر صلوٰۃ انہی پر درود ان کے رب کی طرف سے اور رحمتوں کا نزول ہمیشہ ہوتا رہتا ہے۔" اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں تو آپ نے دیکھا کہ ان کا مقام صبر یہ ہے کہ معیت خداوندی سے صابر ممتاز ہیں۔

صبر شانِ نبوت ہے اولوالعزم انبیاء کی فضیلت صبر ہے۔ اور آگے بڑھیے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ (سورہ

سجدہ ۲۴) ہم نے ان کو امام بنایا ہے تاکہ وہ ہدایت کریں اس لئے کہ وہ صابر تھے۔" تو صبر نبوت کے لئے بھی لازم ہے، صبر امامت کے لئے بھی لازم ہے، صبر نہیں تو نہ نبوت ہے، صبر نہیں تو نہ امامت ثابت ہے، مقام نبوت و امامت کے لئے ضرورت ہے صبر کی۔ اور اس لئے راہِ حق میں قیام کرنے والا حق کا اعلان کرے کہ ہر مصیبت کو جھیلوں گا اعلان کو واپس نہیں لوں گا۔ قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے جو کہہ رہا ہوں یہی کہوں گا، مر جاؤں گا، یہی کہوں گا، یہ ہے منزلِ صبر!

یہی نہیں کہ انسان چپ ہو جائے، یہی نہیں کہ خاموشی اختیار کرے، یہ صبر کی ایک صورت ہوگی مگر نہیں جس راہ کو طے کیا اور سوچ سمجھ کر طے کیا اور کہا نہیں امت کے لئے، ملت کے لئے یہی راہ مناسب ہے تو اس راہ پر رک جانا، اڑ جانا صبر ہے۔ غور سے سمجھ لیجئے کہ جنگ میں بھی صبر ہے صلح میں بھی صبر ہے، صلح حدیبیہ پر مسلسل اعتراضات ہو رہے تھے کیا کیا آپ نے؟ آج ہم قوی ہیں مگر صابر تھے۔ حضور وہ نبوت کا صبر تھا۔ صلح حسنؑ پر ہزاروں اعتراضات ہو رہے تھے۔ مگر حسنؑ نے راہ متعین کر دی تھی کہ اس راہ سے جانا ہے کربلا کو۔ دنیا جو چاہے کہے مگر اس قافلہ کو اس راہ سے ہی کربلا جانا ہے۔ یہ امامت کا صبر ہے۔

ظاہر ہے کہ دنیا جانتی ہے صابر حسینؑ محمدؐ کے نواسے کو، وہ جس نے اپنے صبر کی طاقت سے دنیا پر یہ واضح کر دیا کہ ہم نہ اپنے قول کو بدلتے ہیں نہ اپنے کلام میں تغیر پیدا کرتے ہیں۔ نہ اپنے ثبات قدم میں لغزش کو آنے دیتے ہیں یہ کہہ دیا کہ اطاعتِ رسولؐ کا قلادہ گلے میں ہے۔ اب کسی کی بیعت ممکن نہیں۔ رسولؐ زندہ ہے اس کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ اب کسی اور کا کلمہ کیا پڑھا جائے گا، انکار کر دیا انکار پر اڑے رہے اور اس قیام کا نتیجہ کربلا ہے اور اس قیام کا نتیجہ شہادتِ حسینؑ ہے۔

اس معرکے میں اس صبر کے مظاہرے نے یہ بتلا دیا فرزندِ رسولؐ کا جب نام آئے گا تو صابرین کی فہرست میں کسی ایسی منزل پر آئے گا جہاں آدابِ بندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ عرض کروں گا کہ اگر ختمی مرتبتؐ کا نام آرہا ہے صابرین میں آپؐ نے فرمایا کہ "جو تکلیف مجھے دی گئی وہ تکلیف کسی نبیؐ کو نہیں دی گئی" تو پھر اس کا یقین رکھیے کہ ختمی مرتبتؐ کے ساتھ ساتھ حسینؑ کا بھی نام آئے گا۔

میرے پاس استدلال ہے، علمائے اسلام نے لکھا کہ نواسے کو دیکھ کر کہتے تھے کہ یہ مثبت کی منزل پر ہے۔ "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔" تو اس مثبت کی منزل پہ صبرِ رسولؐ صبرِ حسینؑ ہے۔ میں اور آگے بڑھوں نہیں صبرِ حسینؑ اسی لئے ہے کہ تقاضائے رسالتؐ یہی ہے، دنیا سے جاتے ہوئے کہا بیٹا میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ تیرے سر کو تحفتاً یزید کے پاس لے جا رہے ہیں حسینؑ صبر کرنا، فاطمہ کے لال نے صبر کیا۔ اولین و آخرین میں کسی نے اس طرح صبر نہیں کیا۔ محمدؐ کے نواسوں کو ہی اس کا حق پہنچتا تھا کہ وہ صبر کریں اور بقائے اسلام کی فکر اعلائے کلمۂ حق کا انتظام کریں۔

صبر کی تین منازل ہیں۔ معارف احوال اور افعال میں معارف کی شکل یہ ہے، کہ اصول احوال کی صورت یہ کہ اصول پر یقین افعال عمل کی منزل میں یعنی معارف شجر، احوال ڈالیاں، افعال اس کے پھل، صبر کا عالم یہ ہے کہ معارف کی منزل پر اصول سے پٹا ہوا ہے۔ احوال کی منزل پر یقین سے پٹا ہوا۔ اور افعال کی منزل پر عمل کر کے دکھلا رہا ہے کہ دیکھو تہِ تیغ یوں ہوتے ہیں میر تقی میر نے کہا

زیرِ شمشیرِ ستم میر تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا

حضرت موسیٰؑ اولوالعزم پیغمبر ہیں انھوں نے خضرؑ سے پوچھا آپ مجھے تعلیم دیں

گے، خضرؑ نے جواب دیا: اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (سورہ کہف پارہ ۱۶) تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ نبی اولوالعزمؑ نے کہا: "کیوں میں صبر نہ کر سکوں گا" خضرؑ نے جواب دیا: وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا (سورہ کہف آیت ۶۸) وہ صبر کیا کرے گا جس کو علم نہ ہو، جس کو عواقب و انجام کا علم نہ ہو، وہ صبر کیا کرے گا۔ صبر کامل ہوتا جاتا ہے علم کے کمال کے ساتھ۔ حسینؑ نے محمدؐ کی زبان چوس کر پرورش پائی۔ اس لئے حسینؑ جان رہے تھے کہ انجام شہادت کیا ہے۔

اس شہادت کا ماحصل کیا ہے، اس شہادت کا اثر تاریخ پر کیا پڑے گا۔ آنے والے مسلمانوں پر کیا پڑے گا، قیامت تک یہ شہادت کس طرح محفوظ رہے گی ذکر، فکر اور شعور کے اعتبار سے بہر حال جو حسینؑ نے سوچا وہی ہوا۔ یہ صابر کا علم تھا۔ آخری منزل یہ ہے کہ صبر آغاز اور صبر انجام، بہنوں سے رخصت ہو کر، بیٹوں سے رخصت ہو کر چلے تو صبر اور شکیبائی کی وصیت کر کے چلے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ بہن صبر کرنا، عابدؑ بیمار صبر کرنا، عصر کا ہنگام قریب آگیا۔ وَالْعَصْرِ عصر کی قسم۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ انسان خسارے میں ہے اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ مگر صاحبانِ ایمان اور عمل صالح کرنے والے اور حق اور صبر کی وصیت کرتے رہے وہ خسارے میں نہیں ہیں۔

یہ تھا حسینؑ کا عملِ صالح، آخری سجدہ کیا نینوا کی سرزمین پر ذاتِ واجب کی بارگاہ میں۔ یہ منزل ہے دیکھا آپ نے۔ پہلے صبر پھر صلوٰۃ۔ صابر نے سجدہ کیا تو سر رکھتے ہی آواز دی "یا غیاث المستغیثین" تیرے امتحان میں صابر ہوں۔ تیری مشیت کو تسلیم کر رہا ہوں۔ تیرے حکم کو مان رہا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے، حسینؑ تیری بارگاہ میں آرہا ہے۔ تاریخ یہ تحقیق ہے کہ آخری سجدے میں یہ آخری الفاظ ادا کئے۔ محرم کی دسویں ۶۱ھ ہے، عصر کا وقت ہے آفتاب ڈوبنے کے قریب ہے ایسے میں معلوم ہوا کہ زمین لرزتی

چلی گئی۔ کائنات میں تہلکا پڑا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہوائیں تند ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کو گہن لگ گیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ اندھیرا چھا گیا۔

گھبرا کر علیؑ کی بیٹی نے عابدؑ بیمار سے کہا کہ بیٹا! یہ کیا ہو رہا ہے۔ جواب دیا پھوپھی اماں ذرا میرا ہاتھ تھام کر مجھے خیمے کے در تک لے جایئے۔ پہنچایا، پردہ اٹھایا۔ عابدؑ بیمار نے سر بلند کر کے کہا بابا عابدؑ بیمار کا سلام ہو۔ مظلوم نے، بیمار نے صابر نے صابر کو سلام کیا۔ قیامت کی شام ہے، شام غریباں اردو ادب میں لفظ عام ہے۔ مگر جہاں جا کر اطلاق انطباق پایا گیا وہ نینوا کی زمین تھی۔ کربلا کی سرزمین پر دنیا نے دیکھ لیا کہ حقیقت میں صبر کرنے والے ایسے ہوتے ہیں۔

اور اب یہ آخری منزل ہے۔ صبر اور اس گھرانے کا صبر۔ ہاں وارث قتل ہو گئے، ہاں خیمے جل چکے، بچوں نے طمانچے کھائے، سیدانیاں لٹ چکیں، مگر اب صبر کا کمال دیکھو کہ کسی نے آ کر شہزادی زینبؑ سے کہا بی بی یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ سرداران لشکر و قبائل اپنے اپنے لشکر و قبائل کے سرداروں کی لاشوں کو ہٹا لیں اس لئے کہ ایک غریب کی لاش گھوڑوں سے پامال ہونے والی ہے۔

ایک ایک کا لاشہ اٹھایا گیا۔ حر کے قبیلے کے لوگ بھی تلواریں لہراتے ہوئے اور یہ کہتے چلے کہ جس کے وارث زندہ ہوتے ہیں وہ یوں لاشے اٹھاتے ہیں۔ اب ایسے میں زینبؑ کے صبر کا اندازہ کرو، عابدؑ بیمار کے صبر کا اندازہ کرو کہ بچوں سے کہتے جاتے تھے کہ گھبرانا نہیں۔

ہدایتِ الٰہی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (سورہ قصص آیت ۵۶)

یہ آیت علمائے اسلام میں ایک اختلافی مسئلہ بن کر رہ گئی۔ اور اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ اس کی ہدایت نہیں کر سکتے جس کو آپ دوست رکھتے ہوں جس سے آپ محبت کرتے ہوں لیکن خدا جس کے لئے چاہتا ہے ہدایت کے دروازے کو کھول دیتا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ ہدایت یافتہ کون ہے۔

صاحبِ کشاف زمخشری نے بڑے زور قلم صرف کیا کہ اجماعِ مسلمین ہے کہ یہ آیت حضرت ابوطالبؑ کے لئے ہے، جن کے لئے پیغمبرؐ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ہدایت پا جاتے مگر یہ کہ وہ ہدایت نہ پا سکے اور ان کے لئے یہ آیت آئی ہے۔

ہم اس سے پہلے بھی اس موضوع پر روشنی ڈال چکے ہیں اور بشرط توفیق الٰہی اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ضرورت ہے اس سلسلے میں آپ کو معلوم ہے قرآن مجید کی کوئی آیت ہو اس کی تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ اجلۂ صحابہ یہ فیصلہ کریں کہ یہ آیت کہاں اور کب، کیسے، کس طرح اور کس کے لئے نازل ہوئی۔ اس سورۂ قصص کی آیت کے سلسلے میں سلسلۂ روات یہ ہے۔ ابو سہل سری روایت

کرتے ہیں عبدالقدوس دمشقی سے اور عبدالقدوس دمشقی روایت کرتے ہیں ابوصالح سے اور ابوصالح روایت کرتے ہیں عبداللہ ابن عباس سے کہ وہ کہتے تھے کہ یہ آیت حضرت ابوطالب کے لئے نازل ہوتی ہے۔ یعنی ختمی مرتبتؐ نے بے حد اصرار کیا کہ وہ مسلمان ہو جائیں لیکن نہ ہوئے۔ آیت نے صاف کہہ دیا کہ اے رسولؐ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔

اب اس سلسلے میں ذہبی جو رجال کا سب سے بڑا ماہر ہے سارے عالم اسلام کا۔ "میزان الاعتدال" اس کی کتاب کا نام ہے۔ اس کتاب میں جس نے نقد و نظر سے کام لیا ہے کہ کون راوی کذاب ہے۔ کون راوی کمزور ہے کون راوی ضعیف ہے، کون راوی ثقہ ہے، کون راوی وضاع ہے۔ یہ ساری چیزیں ہیں اور ذہبی نے بحث کرتے ہوئے لکھا کہ ابوسہل سری کا یہ شغل تھا کہ وہ جس محفل میں بیٹھتے حدیث کو کسی طریقے سے بیان کرتے۔ یعنی ایک ہی حدیث کو الفاظ بدل بدل کر بیان کرتے، مختلف طریقوں سے حدیث بیان کرتے یعنی ایک طریقہ دوسرے طریقے کی ضد ہوتا تھا۔ ذہبی نے کہا کہ ابوسہل سری وضاع ہے، یعنی حدیث وضع کرنے والا۔ ذہبی نے صاف صاف لکھا کہ یہ کذاب ہے،

اب دوسرے راوی ہیں عبدالقدوس دمشقی، ذہبی نے ان کے متعلق کہا کہ کسی معتبر محدث نے ان سے روایت نہیں کی، علمِ رجال کے کسی ماہر نے ان کو ثقہ نہیں مانا۔ یہ اپنی مرضی سے احادیث کو ڈھالنے کے ماہر تھے۔ ان کا شمار بھی کذابین میں ہے۔ اور اب تیسرے راوی ابوصالح ہیں، ذہبی نے کہا سر بازار کھڑے ہو کر ڈاکہ ڈالنا بہتر ہے بجائے اس کے کہ ان سے روایت کی جائے۔ ان کے متعلق یہ ہے کہ یہ روایتوں میں چوری کرنے کے عادی ہیں، کچھ ادھر سے لیا اور کچھ ادھر سے لیا۔ اور پانچویں راوی عبداللہ ابن عباس ہیں۔ ان کا حال

یہ ہے کہ یہ اسی سال پیدا ہوئے جس سال ابوطالبؑ کا انتقال ہوا۔ ہجرت سے تین برس پہلے یہ پیدا ہوئے، جو بچہ ابھی پیدا ہوا ہے اس کو کیسے خبر ہے کہ یہ آیت کس کے لئے نازل ہوئی ہے۔

اب یہ ہم نے رجال کے اعتبار سے پوری روایت کی تشخیص کی اور نقد و نظر و تبصرہ کیا۔ اگر آپ یاد رکھ سکیں اور آپ کا حافظہ ساتھ دے تو یاد رکھئے کہ پہلا راوی ابوسہل سری، دوسرا راوی عبدالقدوس دمشقی، تیسرا راوی ابوصالح، چوتھا راوی عبداللہ ابن عباس، کس اعتبار سے اس حدیث کو معتبر سمجھا جائے۔ تین راویوں کا تذکرہ تو ہو چکا۔ اب دوسرے اس سلسلے میں روایت ہے عبداللہ ابن عمر سے۔ یہ ابوطالبؑ کے انتقال کے وقت پانچ برس کے ہیں، یہ بھی کیسے جان سکتے ہیں کہ یہ آیت کس کے لئے ہے۔ اب اس روایت کا سلسلہ ابوہریرہ سے بھی بیان کیا جاتا ہے، ہجرت سے تین برس پہلے ابوطالبؑ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد ہجرت ہے، ہجرت کے بعد بدر ہے، بدر کے بعد احد ہے، احد کے بعد خیبر ہے۔ ابوہریرہ خیبر میں مسلمان ہوئے ہیں۔ جو خیبر میں مسلمان ہوا وہ ابوطالبؑ سے کیا بتا سکتا ہے۔ ان کا ابوطالبؑ کے لئے کوئی حکم لگانا ہمارے لئے سند نہیں ہے۔

چوتھی چیز جب یہ طے پا چکا کہ جیسا کہا گیا کہ اگر اجماع مسلمین ہے کہ یہ آیت ابوطالبؑ کے لئے آئی ہے تو اس اجماعِ مسلمین میں اہلبیتؑ کی احادیث بھی شامل ہیں یا نہیں۔ اگر اہلبیتؑ داخل نہیں، تو اجماع ثابت نہیں ہے۔ اور اگر اہلبیتؑ داخل ہیں تو انہوں نے اول سے آخر تک یہ کہنے کی کوشش کی ہے، ابتداء سے انتہا تک یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نہ صرف ایمان تھا بلکہ ابوطالبؑ ایمان میں کامل و اکمل تھے، اور جو چیز یاد رکھنے کے قابل ہے ائمہ علیہم السلام نے کہا کہ مسلمان ایک

دھوکے میں نہ رہیں کہ ان کی شفاعت کوئی کرے گا، ان کے لیے طلبِ مغفرت کون کرے گا۔ وہ تو اس بلند منزل پر فائز ہیں کہ قیامت کے میدان میں جس کی جس طرح چاہیں شفاعت کریں۔

تو ہمارے پاس یہ بحث کہ ابوطالبؑ کا انجام کیا ہے، کوئی زیادہ اہم نہیں ہے۔ آپ جس پریشانی میں پڑے ہیں، اس پریشانی کو جان کر ہم اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے۔ اس لیے کہ ان کا انجام مختلف فیہ ہے۔ لیکن ان کے آغاز پر ہم اور آپ دونوں متفق ہیں۔ ہم دونوں متحد ہیں کہ انھوں نے ہر موقع پر رسولؐ کی حمایت کی، رسولؐ کی مدد کی، بچپن سے پالا، اور پھر اس شان سے پالا کہ جہاں خداوندِ عالم الاعلیٰ سورۂ والضحیٰ میں ختمی مرتبتؐ کا ذکر کرتے ہوئے کہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کیا ہم نے تجھ کو یتیم نہیں پایا، اور کیا ہم نے تیری پرورش نہیں کی؛ تو اب آپ کی نظر میں ابوطالبؑ کا جو بھی انجام ہو، اللہ نے اپنی طرف ان کے عمل کو نسبت دے دی ہے، تو یتیم تھا، ہم نے تیری پرورش کی، تو اب آپ کے پاس جو بھی انجام ابوطالبؑ ہو، جہاں فعلِ ابوطالبؑ فعلِ الٰہی بن جائے، اپنی طرف عمل کو منسوب کر لیا کہ تو یتیم تھا ہم نے تیری پرورش کی۔

دنیا جان رہی ہے کہ اس دن سے پرورش کی ہے جب عبدالمطلبؑ نے بیٹوں کو بلایا اور بلا کر ابوطالبؑ سے یہ کہا کہ عبداللہؑ کا نورِ نظر اب تمہارے حوالے، ابوطالبؑ کے حوالے کر دیا تو اسی دن سے بچے کی خدمت شروع کی تو ایک دو دن کا ساتھ نہیں ہے بلکہ پچاس برس کی حمایت ہے، یہ ساتھ ایک دو دن کا نہیں ہے بلکہ پچاس برس کا ساتھ ہے، پچاس برس تک حمایت کی ہے، اس طویل مدت کے ساتھی کو اگر انجام کے اعتبار سے قابلِ غور نہ سمجھیے تو چھوڑیے، یہ تو دیکھیے کہ خود علمائے اسلام کیا کہتے ہیں ابوطالبؑ کے متعلق۔ فخار ابن معد موسوی

جتنے بھی عالم گزرے ہیں یہ بھی ایک کڑی ہیں اس سلسلے کی، یہ بھی ہمارے مشہور عالم ہیں۔ علامہ حلی سے اور آگے اور شیخ الطائفہ محمد ابن حسن طوسی سے پہلے فخار ابن موسوی نے ایک کتاب لکھی "ایمان ابوطالبؑ" کتاب لکھ کر ابن ابی الحدید معتزلی کے پاس تحفتاً بھیج دی۔ اگلے زمانے میں پریس تو نہیں تھا، کتابیں ہاتھ سے ہی لکھی جاتی تھیں، شاگرد لکھتے اور علماء ایک دوسرے کو تحفتاً بھیج دیتے تھے، تاکہ ان کی رائے معلوم ہو۔ جب کتاب ان کے پاس پہنچی تو ابن ابی الحدید معتزلی نے کتاب دیکھ کر کہا کہ ان مباحث کے بعد میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ ابوطالبؑ کے لیے کیا رائے قائم کی جائے۔ تو انھوں نے وہی فیصلہ کیا جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ انجام کی بات تو چھوڑو، سیدھی بات یہ ہے کہ ان کے آغاز کو تو دیکھو۔

وَلَوْلَا اَبُوْ طَالِبٍ وَابْنُہٗ
لما مثل الدین شخصاً فقاما

اگر ابوطالبؑ اور ان کا بیٹا نہ ہوتا تو دین کی آج یہ صورت نہ ہوتی جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

فَذَاکَ بِمَکَّۃَ آوٰی وَحَامٰی
وَھٰذَا بِیَثْرِبَ جَسَّ الحِمَامَا

اگر ابوطالبؑ نے محمدؐ کو مکہ میں پناہ دی اور حمایت کی تو بیٹے نے مدینے میں آ کے مدد کی نصرت کی حمایت کی۔

اس منزل پر گفتگو کو پہنچا کر ہم پھر اس آیت کی طرف واپس آ جائیں۔ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ آپ اس کی ہدایت نہیں کر سکتے جس کو آپ دوست رکھتے ہوں، جس سے آپ محبت کرتے ہوں، لیکن

خدا جس کے لئے چاہتا ہے ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے ، وہ بہتر جانتا ہے
کہ ہدایت یافتہ کون ہے ۔ اس آیت میں دو لفظوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔
مَنْ اَحْبَبْتَ ، جس سے تجھ کو محبت ہو اس کی ہدایت تو کیا کرے ، کیوں کرے جس
سے محبت کرے اس کی ہدایت کی ضرورت کیا ہے ، تو ہدایت کیا کرے گا ، ہدایت
تو اللہ کرے گا ، علتِ ہدایت تیری محبت نہیں ہے ۔ ہدایت کے لئے کوئی رسول
کی محبت کو بہانہ نہ بنائے ۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ، خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر
ڈال دیتا ہے ، اب تقریر کا رخ بدلا ، اب مَنْ يَّشَآءُ پر گفتگو کریں ۔ شاید اس سے پہلے
بھی ہم گفتگو کر چکے ہیں کلام مجید میں یہ مَنْ يَّشَآءُ اور يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ (رعد آیت ۲۷)
کئی مقامات پر آیا ہے ۔ جس کو چاہتا ہے ہدایت کی راہ پر ڈالتا ہے اور جس کو چاہتا
ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے ۔ اب ایک فیصلہ آپ کریں ۔ یہ مَنْ يَّشَآءُ کو آپ کس
طرف موڑنا چاہتے ہیں ، کس طرف پھیرنا چاہتے ہیں ، فاعل کون ہے ، یعنی کوئی جابر ہے
کوئی مستبد ہے کوئی خود پسند ہے ، کوئی من مانی کرنے والا ہے ۔ جب مَنْ يَّشَآءُ کہا
تو تم کو پوچھنے کی ضرورت کیا ہے ، ہم جو چاہیں گے کریں گے ۔ جب یہ مَنْ يَّشَآءُ
سمجھ میں نہ آیا تو گھبرا کر لکھنے والوں نے لکھ دیا کہ اللہ انبیاء کو چاہے گا تو جہنم میں
ڈال دے گا ۔ اور یہ لکھ دیا کہ کفار کو چاہے گا تو جنت دے گا ۔

آپ نے دیکھا تو یہ مَنْ يَّشَآءُ کے معنی نہیں ہیں ۔ یہ تو دیکھو مَنْ يَّشَآءُ کون کہہ
رہا ہے ۔ عادل کہہ رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ ، حکیم کہہ رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ ، علیم کہہ رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ
وہ جس کی مصلحتیں بہتر ہیں وہ کہہ رہا ہے مَنْ يَّشَآءُ یعنی وہی چاہے گا جو اس کا
عدل چاہے گا وہی چاہے گا جو اس کی حکمت چاہے گی وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ
(سورۃ ق آیت ۲۹) میں بندوں پر ظالم نہیں ہوں ، کہ جس کو آزمائے آزمائے اتنی

مہلت دے کہ پچاس برس آزمائے اور پھر بھی ہدایت نہ دے آپ ملاحظہ فرما رہے
ہیں یہ مَنْ يَّشَآءُ پر دھوکا ہوا ہے ۔

اور خصوصاً پھر تصوف کی کچھ راہیں ایسی آگئی ہیں ، جس اس کی مشیت ، جس
اس کی مشیت جو چاہے کرے ، عادل بھی تو سمجھو ، قادر بھی تو سمجھو ، ذاتِ واجب کو
حکیم بھی تو سمجھو ، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا ، وہ غلط مقام پر کسی غلط شے کو نہیں رکھتا جب
یہ طے ہو گیا تو پھر مَنْ يَّشَآءُ کے معنی یہ ہیں جس میں صلاحیت ہوگی ، اسی کو دوں گا
جس میں صلاحیت نہیں ہوگی اس کو نہیں دوں گا ، جس کی زبان استعداد ہمیشہ
بھی کہتی رہے ۔ ابو طالب پیغمبرؐ کے لئے کہہ رہے ہیں

نَاَيَّدَهٗ رَبُّ الْعِبَادِ بِنَصْرِهٖ
وَاَظْهَرَ دِيْنًا حَقُّهٗ غَيْرُ بَاطِلٖ

اللہ نے اس کی نصرت کی اپنی مدد سے اور اپنے سچے دین کو جو جھوٹا نہیں ہے غلبہ دیا ۔

لَقَدْ عَلِمُوْآ اَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ
لَدَيْنَا وَلَا يُعْنٰى بِقَوْلِ الْاَبَاطِلٖ

اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ ہمارا بیٹا محمدؐ ہمارے نزدیک جھٹلایا ہوا نہیں
ہے ۔ یعنی ہم نے ان کے دعوے نبوت کی تکذیب نہیں بلکہ تصدیق کی ہے ، اور
وہ تو باطل بات کبھی کہتے ہی نہیں ، اور دوسروں کے اقوال باطل کی پروا نہیں
کی جا سکتی ۔

وَاَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

وہ سردار ایسے روشن چہرے والے ہیں کہ ان کے روئے مبارک کا واسطہ دے
کر بارش کے لئے دعا کی جاتی ہے ، وہ یتیموں ، بیواؤں کا والی و وارث ہے

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّا وَجَدْنَا مُحَمَّدًا
نَبِيًّا كَمُوسَىٰ خُطَّ فِي أَوَّلِ الْكُتُبِ

کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا ہے جیسے موسیٰ تھے اور یہ کہ انہی کا ذکر قدیم کتابوں میں کیا گیا تھا۔ ابو طالب کا یہ کہنا کہ ہم نے محمدؐ کو اسی طرح نبی برحق پایا جس طرح حضرت موسیٰ تھے۔ ابو طالبؑ کے اس قول کی تائید قرآن نے بھی کر دی یا ابو طالبؑ کے قول کو قرآن کی آیت بنا دی، إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (سورہ مزمل آیت ۱۵) یعنی ہم نے تمہاری طرف ایسے رسولؐ کو بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہیں، اسی طرح جیسے ہم نے فرعون کی طرف موسیٰؑ کو بھیجا تھا۔ اور دوسرے مصرع میں ابو طالبؑ فرماتے ہیں کہ یہ وہ نبیؐ ہیں جن کا ذکر قدیم کتابوں میں کیا گیا ہے، قرآن نے ابو طالبؑ کے اس قول کی بھی تصدیق اس طرح کر دی کہ ارشاد ہوا الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ (سورہ اعراف ۱۵۷) وہ لوگ جو اس رسولؐ و نبی امیؐ کا اتباع کرتے ہیں وہ ان کے ذکر کو توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اب کیا خیال ہے ابو طالبؑ کے متعلق، جو اللہ کا قائل ہو، قیامت کا قائل ہو، کتب کا قائل ہو، آیت کا قائل ہو، جو وحی کے سورہ آتیں وہ لے جا کر کفار قریش کو پڑھ کر سناتے، وہ نبیؐ کے معجزات کا قائل ہو، نبیؐ کا ماننے والا ہو، نبیؐ کی حمایت کرے۔ اگر نبیؐ کے ساتھ کوئی سخت کلامی کرے تو کمان سے ابولہب کی پیشانی پر ایسی ضرب لگائے کہ ابولہب کی پیشانی پھٹ جائے۔ اور اس کے باوجود بھی اگر دنیا یہ سمجھے کہ برا انجام ہے واقف نہیں ہیں تو یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ کسی کا انجام بگڑ گیا۔ اگر برا انجام سے واقف نہیں تو آغاز کو تو دیکھو، یہاں ابن ابی الحدید نے کیا

کہ اس نے بکریاں چرائیں حفاظت کی، بیٹے نے مدینے میں حفاظت کی، ابھی شعر پڑھ چکا۔

میں نے زحمت دی آپ کو، ایک بات اور یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ ختمی مرتبتؐ کے لئے جتنی آیتیں آئیں ہیں ان میں ایک آیت بہت اہم ہے جو سورہ صف کی آیت ہے۔ ارشاد ہوا هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ (سورہ صف آیت ۹) اس نے اپنے رسولؐ کو بھیجا ہدایتوں کے ساتھ، نبیؐ کی تعریف دوسرے مقام پر کہا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (سورہ شوریٰ آیت ۵۲) تو ہدایت کرتا ہے صراط مستقیم کی طرف" اور اس کے بعد ایک مرتبہ سورہ یونس میں واضح کیا جہاں ارشاد ہوا قُلْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ پوچھو ان سے کہ کوئی ہے تمہارا شریک کار، رفیق کار جو حق کی طرف ہدایت کرے۔ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ کہہ دو اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہ آیت غور سے سنئے۔ أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (سورہ یونس ۳۵) یعنی جس کی ہدایت ہو چکی ہو کیا اس کو اس کا زیادہ حق نہیں کہ وہ ہدایت کرے کیا وہ ہدایت کر سکتا ہے جو خود ہدایت میں ایک دوسرے کا محتاج ہو، آپ غور کر کے دیکھئے یا وہ ہدایت کرے گا جو ہدایت یافتہ ہو، جو محتاج ہو کیا وہ کرے گا، وہ خود ہدایت کا طالب ہے۔

گذشتہ ماہ رمضان المبارک میں سورۂ توبہ کی تفسیر کرتے ہوئے میں نے ابو طالب کے لئے ایک دلیل پیش کی تھی، آپ کو یاد رکھنا چاہئے۔ ایک نازک ترین وقت ہے اسلام پر، ایک ایسا سخت وقت ہے اسلام پر کہ اب خانۂ کعبہ میں مشرک نہیں آئے گا۔ کچھ یاد آیا آپ کو کہ یہ کون سا موقع ہے۔ بدر کے بعد، احد کے بعد، خیبر کے بعد، خندق کے بعد، فتح مکہ کے بعد، بت شکنی کے بعد، حنین کے بعد اب یہ آخری سال ہے۔ سنہ ۹ ہجری کو سورۂ برات آیا، سورۂ توبہ آیا اور اب چلئے

کہ وہ مشرک خانہ کعبہ میں نہ آئے، رسولؐ کو حکم دی یہ احتیاط کرنی پڑی کہ آیتیں
اس کے حوالے کی جائیں کہ پلٹ کر کوئی مشرک یہ نہ کہے کہ تمہارا باپ بھی تو
مشرک تھا کسی سے لیا اور کسی کو دیا۔ اس میں یہ راز پنہاں ہے کہ سیاست وقت الجھ
گئی اس بات پر کہ جب تک ان کے ایمان کو مشتبہ نہ کر دیں گے، دل کو سکون نہیں ملے
گا۔ اس لئے جب تاریخ لکھی گئی، تو ہر آن یہ کوشش رہی کہ ہاں بڑی مدد کی، بڑی
حمایت کی کس کا یہ کارنامہ ہے تو ہم کو تو اس دنیا سے کام ہے، بدر کی لڑائی کیسے
ہوئی، خندق میں کیا گزری، خیبر کیسے فتح ہوا، حنین کو کیسے سرانجام کیا، بدر کی لڑائی
کیسے ہوئی، فتح مکہ کا انجام کیا ہے، بت شکنی کیسے ہوئی۔ ہم تو اسی دنیا کو دیکھ
رہے ہیں آخرت کی خیر یہاں بتلاؤ، یہاں ایک ہی منزل پر بتلاؤ کہ بھتیجے نے
کہا ہو یہ چاہیئے اور چچا نے انکار کر دیا ہو، کہیں تو دکھاؤ کہ کسی خواہش کی تکمیل
نہ کی ہو بھتیجے کے حکم کو نہ مانا ہو، بھتیجے کے کسی معجزے سے انکار کیا ہو، قرآن مجید
کی آیت کو نہ مانا ہو، ارے قرآن کی آیتیں آئیں تو وہ کفار کو جا کر پڑھ کر سنائے
اور قرآن بلند آواز سے پکارتا جائے۔ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ
هَٰذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (سورۂ توبہ آیت ۱۲۴)
سورہ آیا تو کس کا ایمان بڑھ گیا۔ ایمان والے جو ہیں ان کا تو ایمان
بڑھ جاتا ہے۔ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا
وَهُمْ كَافِرُونَ (سورۂ توبہ آیت ۱۲۵) اور وہاں نجاست پر نجاست بڑھتی جاتی ہے۔
شک پہ شک بڑھتا جاتا ہے، کوئی ابو طالب کے لئے یہ تو کہہ دے کہ کسی سورۃ
میں شک رہا ہو، کسی آیت میں شک ہوا ہو، ساری کشمکش اس بات پر کہ نزع
کا ہنگام تھا اور پھر روایت بھی عبداللہ ابن عباسؓ سے جو اسی سال پیدا ہوئے
اس کے علاوہ کوئی روایت نہیں ہے۔

احترام رسول یہ ہے کہ رسولؐ جس کا احترام کرے، رسولؐ جس کا لحاظ
کرے امت بھی اس میں پیچھے نہ ہٹے، میں نے گفتگو ختم کی، ہدایت یافتہ ہدایت
کرے، محتاج ہدایت جو ہو وہ ہدایت نہیں کر سکتا، ایسے موقع پر اللہ اپنی ذات
سے ہدایت کو منسوب کرے، اسی آیت نے واضح کر دیا کہ اللہ نے ہدایت کی دوسرا
پرورش کرے تو اپنی طرف نسبت دی، اسی طرح منسوب کر رہا ہے کہ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا
فَآوَىٰ کیا تم یتیم نہیں تھے اور کیا ہم نے تمہاری پرورش نہیں کی۔ بالکل اسی
طرح دوسرا ہدایت کرے تو اللہ اپنے سے نسبت دے رہا ہے کہ ہم نے ہدایت کی
یہ امور یاد رکھنے کے قابل ہیں ظاہر ہیں کہ افکار ہیں، معلومات ہیں بشرطیکہ ذہن
میں رہ جائیں، اب یہی سلسلہ کہ اتنی نصرت کی، اتنی مدد کی، اتنی حمایت کی
کہ کفار قریش کے دل میں یہ کینہ رہ گیا کہ ابو طالبؑ نے اتنی مدد کی کہ بھتیجے کو بچا لیا۔
ابو طالبؑ اگر مدد نہیں کرتے تو ہم مکہ میں ہی قتل کر دیتے، ابو طالبؑ کے بعد جس
نے مدینے میں مدد کی تو وہ ابو طالب کا غیر نہیں تھا، ہر لڑائی میں وہ آگے تھا اس
لئے کفار نے طے کیا کہ اب اگر ابو طالبؑ سے بدلہ لینا ہے تو ابو طالبؑ کی ذریت سے
بدلہ لینا ہے۔ ظاہر ہے ابو طالبؑ کی جگہ ان کا بیٹاؑ آیا۔ جب اسلام پر وقت آیا
تو ابو طالبؑ کا پوتا حسینؑ کھڑا ہو گیا۔ آپؑ نے دیکھا کہ وہ بھی غیر نہیں ہے۔ کربلا میں
قیام حسینؑ قیام علیؑ ہے۔ قیام ابو طالبؑ ہے، کربلا میں ابو طالبؑ کی ذریت سے
بدلہ لیا جا رہا تھا۔

علی اکبرؑ ابو طالبؑ کی ذریت میں تھے، علماء نے لکھا اگر علی اکبرؑ زندہ رہ
جاتے تو حسنؑ اور حسینؑ کے بعد پھر دو بھائی امام ہوتے، علیؑ علیؑ علیؑ، حسینؑ نے
اپنے سب بیٹوں کا نام علی ہی رکھا۔ علیؑ ابن الحسینؑ، علی اکبرؑ امّ لیلیٰ کے نور نظر
علی اصغرؑ امّ ربابؑ کا چھ مہینے والا، علی اکبرؑ، یہ وہ شہزادے ہیں۔ جو اپنے پدر

گرامی کے ساتھ ہی آرام کر رہے ہیں۔ آپ کو بھی زیارت نصیب ہو، یہ بچہ تو خوش کی قبر ہے۔ حسینؑ سے دور نہیں ہیں۔ حسینؑ نے اب تک علی اکبرؑ کو بیٹے سے لگا رکھا ہے۔ اور جب ذاکر مجلس پڑھتا ہے تو کبھی کبھی اشارہ بھی ہو جاتا ہے کہ بیٹے علی اکبرؑ کا ذرا حال بیان کر۔

ابھی قصر یار ک میں یہ گفتگو تھی کہ شہزادی زینبؑ نے علی اکبرؑ کو رخصت دی، بھائی کی سفارش پر گریہ کر کے کہا علی اکبرؑ میرے لال کیا میں نے اسی دن کے لئے پالا تھا، میں نے تمہارے لئے عونؑ و محمدؑ کو قربان کر دیا تھا۔ اچھا جاؤ میرے لال، خدا حافظ۔

حسینؑ بیٹے کو ساتھ لئے، ہاتھ کو تھامے ہوئے خیمے سے باہر آئے، بیٹے نے اجازت چاہی، باپ نے کہا ٹھہرو علی اکبرؑ ابھی کچھ اور میرا فریضہ باقی ہے۔ یہ کہہ کر اپنے خیمے میں علی اکبرؑ کو لائے، اپنے ہاتھ سے تبرکات کے صندوق کھولے نانا کا عمامہ بیٹے کے سر پر رکھا، نانا کی عبا دوش پر ڈالی، نانا کے اسلحۂ جنگ جسم پر سجائے، سر سے کر پاؤں تک حسرت بھری نظر سے دیکھا اور کہا علیؑ اکبرؑ جب کبھی نانا یاد آتے تو میں تم کو دیکھ لیتا تھا، ہائے آج تم جا رہے ہو، آؤ میرے لال آج میں تم کو سوار کر دوں، یہ کہہ کر خیمے سے باہر آئے آواز دی، ارے کوئی میرے بیٹے کی سواری لانے والا، عقاب حاضر ہوا، علی اکبرؑ چاہتے تھے سوار ہو جائیں حسینؑ ابن علیؑ نے علی اکبرؑ کا بازو تھاما، علی اکبرؑ نے ادب سے کہا، بابا آپ زحمت نہ فرمائیں۔ حسینؑ نے کہا علی اکبرؑ تم جا رہے ہو، تم جا رہے ہو میرے لال اچھا جاؤ، علی اکبرؑ گھوڑے پر بیٹھے حسینؑ نے ایک مرتبہ آسمان کو دیکھا اور کہا اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ آل عمران آیت ۳۳) اللہ نے مصطفیٰ کیا آدمؑ کو نوحؑ کو آل ابراہیمؑ کو آل عمران کو عالمین میں

خداوندا گواہ رہنا کہ میں اس قوم کی طرف ایسے جوان کو بھیج رہا ہوں جو صورت میں سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں تیرے رسولؐ سے مشابہ تھا اور ایک مرتبہ عمر سعد کی طرف دیکھ کر کہا "اے عمر سعد خدا تیری اولاد کے سلسلے کو قطع کر دے تو نے میرے بچے کی نسل کو قطع کر دیا۔"

علی اکبرؑ گھوڑے پر سوار ہوئے، گھوڑا چلا، ایک مرتبہ جا کر مڑ کر بابا کو سلام کریں تو دیکھا بابا پیچھے پیچھے آ رہے ہیں، علی اکبرؑ نے کہا بابا آپ کیوں آ رہے ہیں بابا آپ تو رخصت کر چکے، کہا تم نہیں جا رہے ہو علی اکبرؑ میری جان جا رہی ہے آہستہ چلو تاکہ جی بھر کر دیکھ لوں۔ علی اکبرؑ نے لجام فرس کو کھینچا، گھوڑے سے کود پڑے بابا کے قریب آئے، لب اقدس گوش ہمایونِ امامت کے پاس لائے۔ آہستہ سے کچھ کہا حسینؑ بیٹے کے جملے سن کر چیخ کر روئے، علی اکبرؑ تو چلے گئے، زینبؑ در خیمہ سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں، پوچھا بھیا چلتے وقت علی اکبرؑ نے آپ سے کیا کہا تھا حسینؑ نے کہا زینبؑ یہ نہ پوچھو، کہا بھیا آپ کو میرے حق کی قسم بتلائیے میرے علی اکبرؑ نے چلتے وقت کیا کہا۔ حسینؑ نے فرمایا زینبؑ زمانہ کا قاعدہ ہے کہ جب بوڑھا باپ مرنے لگتا ہے تو جوان بیٹے کو وصیت کرتا ہے، آج دیکھو تو میرے لال نے مجھے وصیت کی ہے کہتا تھا بابا میری لاش خیمے میں نہ لائیے گا، میری ماں غریب ہے، میری ماں پردیسی ہے۔

تقویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورہ قصص آیت ۸۳)

سورہ قصص کی یہ آیت انجام متقین پر ایک بیّن ثبوت ہے۔ معنی خیز درس ہے۔ ارشاد ہوا "آخرت کا گھر تو ہم ان ہی کے لئے مخصوص کر دیں گے۔ جو روئے زمین پر نہ سرکشی کرنا چاہتے ہیں۔ اور نہ فساد اور پھر سچائی بھی یہی ہے کہ انجام کی بھلائی صاحبان تقویٰ کے ہی لئے ہے"۔ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ قرآن مجید میں ۲۵۲ مقامات پر لفظ "تقویٰ" استعمال کیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر تقویٰ کے ساتھ ساتھ صبر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ختمی مرتبتؐ نے ارشاد فرمایا "لوگو خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے، کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ مگر تقویٰ کے اعتبار سے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"۔

اور اسی منزل پر امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ نے تقویٰ کی تعریف بتاتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم متقین کو دیکھنا چاہتے ہو تو تم دیکھو گے

کہ اس کے دل میں خوف ہے۔ ایمان میں یقین ہے اگر کسی سے ملتا ہے تو احتیاط سے ملتا ہے۔ اگر فاقہ کے عالم میں ہے تو پھر بھی صبر کئے جا رہا ہے متقی اپنی خواہشات پر قابو پانے والا ہے۔ اگر تم متقی کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس وقت دیکھو جب زلزلے آئیں۔ جب اس پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹیں تو اس کا وقار اور شان دیکھو جب اس کو نعمت پر نعمت عطا ہوں۔ تو اس کے شکر کے سجدے دیکھو، امیر المومنین فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہے جو حق سے باہر نہیں ہوتا۔ اور باطل میں داخل نہیں ہوتا۔ اب دیکھئے کہ قرآن مجید میں متقی کی کیا تعریف کی گئی ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (سورہ حجرات آیت ۱۳) اللہ کے نزدیک مکرم وہی ہے جو صاحب تقویٰ ہو ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (سورہ طلاق آیت ۲ اور ۳) جو کوئی تقویٰ کی منزل پر آتا ہے اسے پھر کسی سے خوف کھانے کی ضرورت ہی نہیں ہم اس کو وہاں سے رزق عطا کریں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ اور اب یہ تیسری آیت جہاں ارشاد ہوا ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (سورہ مریم آیت ۷۲) ہم فقط صاحبان تقویٰ کو نجات دیں گے اور ظالمین کو جہنم کی آگ میں جھونک دیں گے۔

تقویٰ کی ان اعلیٰ مدارج کو بیان کرتے ہوئے اللہ نے بار بار یہ کہا کہ صاحبان تقویٰ اس مالک حقیقی کو محبوب ہیں پسند ہیں، بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (سورہ آل عمران آیت ۷۶) جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا، کیونکہ صاحبان تقویٰ اللہ کو پسند ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (سورہ توبہ آیت ۴) اللہ صاحبان تقویٰ ہی کو پسند کرتا ہے۔ اَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (سورہ توبہ آیت ۱۲۳) اور جان رکھو کہ بے شک اللہ صاحبان تقویٰ ہی کے

ساتھ ہے۔ خداوندِ عالم اعلیٰ نے صاحبانِ تقویٰ کا انجام بھی بتا دیا کہ ہماری طرف سے انھیں کیا ملے گا۔ ارشاد ہوا۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (سورۃ القلم آیت ۳۴) یقیناً صاحبانِ تقویٰ کے لئے نعمات سے بھری جنتیں ہیں۔

تقویٰ کی ان تمام تعریفوں کے بعد حصول تقویٰ کی بھی فکر لازم ہے کہ اس کو کیسے حاصل کریں سورۃ حج میں کہا گیا ہے کہ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (سورۃ حج ۳۲) جو اللہ کی نشانیوں کا احترام کریں تو یہی تقویٰ ہے، جو شعائر خدا کا احترام کریں، جو چہار دیواری کا احترام کریں جو ان راستوں کا احترام کریں جہاں سے انسان سعی کرتا ہے، وہ اس کنویں کا احترام کریں جس کو آب زم زم کہتے ہیں۔ حجرِ اسود کا احترام کریں۔ خانہ کعبہ کا احترام کریں، یہی نہیں بلکہ قربانی کے اس جانور کے گلے کی رسی کا بھی احترام کریں، اس لئے کہ وہ شعائر الٰہی میں سے ہے۔ آپ نے دیکھا تقویٰ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ شعائر الٰہی کا احترام کرو، اور اسکا احترام شرک نہیں ہے۔ اگر اللہ کی نشانیاں آب زم زم، صفا اور مروہ اور غلاف کعبہ ہیں تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ان کے ساتھ شہید ہونے والے سب شعائر اللہ ہیں۔ ان کا احترام کرو، یہ دلوں کا تقویٰ ہے جو چیز ان سے منسوب ہو جائے وہ اللہ کی نشانی ہے۔ اور یہی تقویٰ ہے۔

ارشادِ خداوند ہوتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (سورۃ مائدہ ۸) اے صاحبانِ ایمان، اللہ کے لئے قیام کرنیوالے بنو۔ عدل پر گواہ بنو خبردار کسی قوم کی دشمنی تم کو عدل سے نہ ہٹادے، عدل کرو یہی تقویٰ ہے، تقویٰ سے عدل قریب تر ہے۔ اے صاحبانِ ایمان اللہ کے نام پر اٹھو، عدل پر شہید ہو اور یہ شہادت علمی ہے، شہادت عظمیٰ ہے۔ اور یہ اس وقت تکمیل پاتی ہے جب شہادت ظاہری بھی تکمیل پا جائے۔ وہ متقی ہوتا ہے۔

کربلا والے شہید الاقساط بھی ہیں یعنی علم کے ساتھ شہید ہو رہے ہیں، تیغ و خنجر گلا رکھ کر بھی شہید ہو رہے ہیں۔ ان کی شہادت اور مراتب کا کیا کہنا کربلا میں ہم تقویٰ کی چند صورتوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہیں۔ بہتر صورتیں ہیں جو نظر آتی ہیں۔ ان کا وقار دیکھو۔ ان کا شدتوں میں صبر کرنا دیکھو۔ ان کی احتیاط کو دیکھو جب کہ ان کے مقابل میں لشکر کبیر ہے۔ جو اپنے آپ کو ملک کہتا ہے مگر شہزادی زینبؑ نے شام میں یزید کے بھرے دربار میں اس کا جواب دیا تھا کہ جس کو تو ملک سمجھتا ہے وہ ملک نہیں ہے، حکومت نہیں ہے بلکہ مہلت ہے۔

یزید کو یہ مہلت ملی تو وہ سمجھا کہ اب ہم اس گھرانے کو تباہ کر دیں گے۔ مگر اس کو نہیں معلوم تھا کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (سورہ بقرہ ۲، ۱۵۴) جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے جائیں انھیں بھی مردہ نہ سمجھنا۔ یزید کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اللہ شہداء کو حیات عطا کرتا ہے اس طرح حیات پانے والے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں حسینؑ شہید راہِ خدا ہیں۔

حسینؑ ایک سلسلہ کا نام ہے، حسینؑ تنہا نہیں ہیں۔ حسینؑ وہ سلسلہ ہیں جو آدمؑ سے خاتم النبیینؐ اور آپؐ سے قیامت تک سچی زبانوں کا سلسلہ ہے عزائمِ حق کا نام حسینؑ ہے۔ اس لئے حسینؑ مومن کی وحدت ہیں، حسینؑ تجدیدِ ہستیِ مومن ہیں۔ حسینؑ مومن کے لئے متقی کے لئے وہ منزلِ اعلیٰ ہیں جس کو دیکھ کر مومن مسلسل ترقی کی راہیں طے کرتا جاتا ہے۔ حسینؑ ابن علیؑ اللہ کی ایک بڑی نشانی ہیں، صاحبانِ تقویٰ کے لئے ایک رمز ہے۔

شام ہو چکی ہے کربلا میں۔ کربلا کے میدان میں شام ہو چکی ہے۔ دنیا واقف ہو چکی ہے کہ کربلا میں کیا ہوا۔ محمدؐ کی بیٹی کا بیٹا حسینؑ ۲۸ رجب کو مدینے سے

نکلا۔ ۳ شعبان کو مکہ پہنچا۔ ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے نکلا۔ ۲ محرم کو کربلا پہنچے۔ ۳ محرم کو لشکر آ گئے۔ سات محرم کو پانی بند ہوا۔ نویں محرم کو حسینؑ ہر طرف سے گھر گئے دسویں محرم کو فاطمہ کا بھرا گھر اجڑ گیا۔ یہ ہے عاشور۔ دسویں کو فاطمہ کا بھرا گھر اجڑ گیا۔ حسینؑ نے جان دے دی مگر ایک ہی دن کے فرق میں کیا سے کیا ہو گیا۔ کل کی رات تھی۔ عباسؑ تھے۔ علی اکبرؑ تھے۔ قاسمؑ تھے۔ عونؑ و محمدؑ تھے۔ کنبہ بھرا ہوا تھا۔ اصحاب و انصار تھے۔ آج کی رات خیمے جلے ہوئے تھے۔ بچے طمانچے کھا چکے ہیں۔ عجیب منزلِ فکر ہے۔ یقیناً حسینؑ ابن علیؑ اللہ کی ایک بڑی نشانی ہیں۔ صاحبانِ تقویٰ کے لئے ایک رمز ہیں اور کربلا رہتی دنیا تک اپنا پیغام درد کی موجوں پر بھیجتا رہے گا۔ مگر چند باتیں آج سن لو۔ کربلا کے میدان میں شام ہوئی۔ قاتل خود بیان کرتے ہیں۔ مقتل تو اول ہی ویران تھا۔ چند لاشیں پڑی تھیں۔ مگر خدا کی قسم ہم نے دیکھا کہ ایک بی بی جس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ کبھی ایک لاشے پر جاتی اور کبھی دوسرے لاشے پر جاتی۔ اور کبھی دریا پر جاتی اور بار بار آسمان کی طرف دیکھ کر کہتی کہ پروردگار میں نے اس بچے کو چکی پیس کر پالا تھا۔ پہچانا تم نے یہ کون ہے اور کس کا امتحان لیا گیا ہے۔ یہ کس کی آواز تھی راوی نے سید سجادؑ سے پوچھا کہ وہ کون بی بی تھیں تو انھوں نے کہا کیا تم نے ان کو نہیں پہچانا۔ وہ میری دادی فاطمہؑ تھیں۔ میری دادی فاطمہؑ تھیں۔ کبھی زینبؑ کو سہارا دیتی۔ نہ گھبراؤ بیٹی تمہارے بابا آئیں گے۔

اتّباعِ حق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَن يَهْدِي
إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ ۖ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ

(سورہ یونس آیت ۳۵)

سورۂ یونس کی اس آیت کا ظاہری ترجمہ یہ ہے "پوچھو کیا تمہارے رفقائے کار میں کوئی ایسا بھی ہے جن کو تم اپنے کاروبار میں شریک بنا رہے ہو، کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف ہدایت کرے؟ کہہ دو کہ یہ ہدایت اللہ کے ہی لئے ہے۔ اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ بتلاؤ جو حق کی طرف ہدایت کرے اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ شخص اس بات کا مستحق ہوگا جو ہدایت یافتہ نہ ہو اور وہ ہدایت کو خود ڈھونڈ رہا ہو۔ کیا دنیا اس کی پیروی کرے گی؟ کیا ہو گیا۔ تم کیا فیصلہ سنا رہے ہو۔ کیا ہو گیا تم کیا حکم دے رہے ہو۔

صورتِ حال ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم ہر آن، ہر لمحہ، ہر لحظہ، ہر گھڑی اپنے کمال کو "اتباعِ حق" میں محفوظ پاتے ہیں اور انسانیت کی نجات اسی میں ہے کہ "اتباعِ حق" اس کے پیش نظر رہے۔ اور اتباعِ حق کی منزل پر کلام مجید نے جس جس طرح سے اس موضوع کو واضح کر دیا ہے وہ بھی پیش نظر رہے۔ صراحت اس امر کی

کردی کر دیکھو کہیں اس اتباع کے بہانے یا اس اتباع کے پردے میں ایسا نہ ہو کہ ظالم کی پیروی ہو، مفسد کی پیروی ہو، ہوا اور ہوس کی پیروی ہو، خواہشاتِ نفس کی پیروی ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم صرف ظن و تخمین ہی کی پیروی کرتے رہو۔ اندازے پر چلتے رہو، یہ نہیں ہوگا سنو۔!

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ (سورۂ اعراف آیت ۱۴۲) دیکھو فساد کرنے والوں کا راستہ اختیار نہ کرو۔ دیکھو یہ جان لو بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ (سورۂ روم آیت ۲۹) دیکھو ظالم وہ ہیں کہ جنھوں نے اپنے خواہشات کی پیروی کی ہے جہالت کے عالم میں، وہ صرف اپنے نفس کی پرستش کر رہے ہیں اور واضح کر دیا کہ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ (سورہ انعام آیت ۱۱۶) اکثر و بیشتر کا یہ عالم ہے کہ فقط پیروی کئے جا رہے ہیں، اندازہ و تخمین و گمان کی کہ جس کو حق سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (سورہ یونس آیت ۳۶) گمان کو، تخمین کو، اندازے کو حق سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔

اہم ترین مسئلہ ہے زندگی کا مسئلہ اتباع، کہ پیروی کس کی کی جائے اور کس کی نہ کی جائے۔ یاد رکھئے کہ انسان اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں، بچپن ہو کہ جوانی، کہولت ہو کہ ضعیفی، ہر آن ڈھونڈتا ہے ایسے اداروں کو جہاں جا کر وہ پیروی کرے اور اپنی زندگی کے لئے کوئی راہ اختیار کرے، ماں، باپ، خاندان، مدرسہ، دوست احباب، حکومت، معاش اور زندگی کے مختلف ذرائع کی تلاش یہ سب وہ ادارے ہیں جہاں انسان پیروی کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے۔ بچہ اپنے ماں باپ کی پیروی کرتا ہے، بچہ اپنے گھر کے رسم و رواج کی پیروی کرتا ہے۔ بچہ جس خاندان میں پلتا ہے اور بڑھتا ہے اس خاندان کے افراد کی پیروی کرتا ہے۔ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔

مدرسہ میں آتا ہے تو استاد کی سیرت کی پیروی کرتا ہے۔ استاد اس کی نگاہوں میں ایک جگہ بنا لیتا ہے اور پھر احباب اس پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ وہ اپنی تاثیر سے اپنی رائے سے بار بار اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان کی پیروی کرے۔ اور اس طرح سے معاش کے نظام میں بھی تجارتیں، ملازمتیں انسان کو کسی نہ کسی کی پیروی پر مجبور کر دیتی ہیں اور پھر حکومت کے احکام تو جبری کر دیتے ہیں کہ اگر وہ حکومت راستی پر ہے، حق پر ہے تو ظاہر ہے اس کا اثر جداگانہ ہوتا ہے۔ اگر وہ حکومت باطل کے ساتھ ہے اور جبر و استبداد کے ساتھ ہے تو اس کا اثر کچھ اور ہے اسی طرح سے قدم قدم پر تاثیر ہی کا اثر ہے۔

قدم قدم پر انسان اتباع کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ قرآن مجید یہ چاہتا ہے کہ دیکھو شروع سے لے کر آخر تک اس پیروی کی منزل کی نگرانی کرو، دیکھو تمہارے لئے سب سے اہم مسئلہ بچوں کی تربیت ہے سورۂ بقرہ میں آیت کا نشان ۲۶۶ ہے ارشاد ہوا۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (سورۂ بقرہ آیت ۲۶۶) کیا تم یہ دوست رکھتے ہو کہ تمہارے پاس ایک باغ ہو انگور کا، کھجور کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور اس باغ میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں۔ ایسے میں باغ کے مالک پر ضعیفی چھا جائے۔ باغ کا مالک بوڑھا ہو جائے۔ باغ کے مالک پر ضعیفی طاری ہو جائے۔ اور اولاد کمزور ہو جائے ایسے میں ایک تیز گرم جھلسا دینے والی ہوا چلی جس نے باغ کو جلا کر خاک کر دیا، اسی طرح سے خدا تمہارے لئے نشانیوں کو بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر سے کام لو۔

دیکھو بڑی سے بڑی دولت تمہارے پاس سہی اگر ذریت کمزور ہو گئی اگر بچوں کی تربیت پوری نہ ہو سکی وہ دولت ایک باغ کی مانند ہے جو جل کے رہ جائے گی جو تباہ ہو جائے گی۔ اگر سنبھالنے والی اولاد نہ رہے۔ قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ بچوں کی تربیت کرو اتباع کی صحیح منزل کو سامنے رکھو جوانوں کے لئے منتبعوں کے لئے سورہ زمر میں ارشاد ہوا اور عجیب شان سے یہ ارشاد ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورہ زمر آیت ۱۷-۱۸) اے میرے بندوں کو بشارت دو جو ہر ایک کی بات کو سنتے ہیں۔ ان کو بشارت دو کہ وہ ہر ایک کو سن کر احسن کی پیروی کرتے ہیں جو بہتر چیز کی پیروی کرتے ہیں ہر کس و ناکس کی پیروی نہیں کرتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی اللہ نے ہدایت کی اور یہی صاحبانِ عقل ہیں۔

تو آپ نے دیکھا کہ ایک طرف تو قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ مفسد کی پیروی نہ کرو، ظالم کی پیروی نہ کرو، فاسق کی پیروی نہ کرو ایک طرف تو قرآن کا یہ ارشاد ہے کہ ظن و تخمین و اندازے کی پیروی نہ کرو، بتلا دیا کہ ایمان وہ ہے کہ جہاں حق کی پیروی ہو۔ کفر وہ ہے جہاں باطل ہو۔ باطل نگاہوں کے سامنے رہے، اور انسان باطل کی پیروی کرتا جائے، بچایا قرآن نے باطل کی پیروی سے۔ قرآن مجید نے آگے بڑھ کے عاد و ثمود کے واقعات بتلائے اور یہاں تک کہہ دیا کہ

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (سورہ ہود آیت ۵۹) یہ قوم عاد ہے جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا اور پھر انھوں نے رسولوں کی طاقت سے، بینات سے، ان کی زندگی سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ بلکہ ان کی معصیت کی اور پھر وہ متابعت کئے جا رہے تھے ہر جبار کی ہر حق فراموش کی، راستے سے ہر ہٹ جانے والے کی۔ اس قوم نے

مخالفت کی تھی متابعت نہ کی تھی اور یہ قوم تباہ ہو کر رہ گئی۔ جگہ جگہ قرآن نے مثالیں دیں آج قوم ثمود، قوم نوحؑ، قوم ابراہیمؑ اور قوم موسیٰؑ اور قوم مسلم کو یہ درس دیا کہ اگر پیروی کی منزل پر آنا ہے تو آنکھیں کھول کر جان بوجھ کر وہاں کبھی یہ نہ کہنا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی پیروی کریں گے۔ وہاں کبھی یہ نہ کہنا کہ احسن کے ہوتے ہوئے کسی بری یا بگڑی ہوئی چیز کی پیروی کریں گے۔ ارے اپنا نقصان کر لوگے۔ اپنے بچوں کی تباہی کو مول لوگے۔ اگر احسن کی پیروی نہ کروگے۔

یہ وہ احکام تھے کہ جہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں بار بار کہا گیا کہ دیکھو ہدایتوں کی پیروی کرو، ہوا کی پیروی نہ کرو، خدا کی پیروی کرو، ختمی مرتبتؐ فرماتے ہیں کہ ڈرتا ہوں اپنے بعد اس لئے نہیں کہ تم یہودی ہو جاؤ یا تم نصرانی ہو جاؤ، ڈرتا ہوں اس لئے کہ کہیں تم میں اتباعِ ہوا نہ پیدا ہو جائے۔ کہیں معمولی عمل نہ پیدا ہو جائے۔ تو یہ عرض کرنا تھا کہ یہ منزل ہمارے لئے ہے اور ہمارے لئے مثالیں متعین کر دیں۔ اور سب سے اہم مثال، سب سے اہم اسوہ ہم کو جو عطا کیا گیا ذات گرامی ختمی مرتبت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰؐ ہے اور آواز دی کہ دیکھو اس کی پیروی لازم ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورہ آل عمران آیت ۳۱) کہہ دو اے رسولؐ اگر ان کو اللہ کی دوستی کا دعویٰ ہے تو یہ میری پیروی کریں۔ یہ اتباعِ رسولؐ میں آگے بڑھیں، کیوں آگے بڑھیں؟ اس لئے کہ نبیؐ نے متابعت کی منزل پر یہ کہا تھا۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ (سورہ انعام آیت ۵۰) میں کسی کی متابعت نہیں کرتا میں تو وحیِ ربانی کی متابعت کرتا ہوں۔ نبیؐ تابعِ وحی ہے۔ امت کو حکم دیا گیا ہے کہ تم تابعِ نبیؐ بن جاؤ۔ تاکہ قدم قدم پر تم وحیِ ربانی کے سائے میں اور حکم ربانی کے سلسلے میں پروان چڑھ سکو۔ نبیؐ وہ ہے جو

تابع وحی ہے اور کہہ رہا ہے اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ اور امت کو یہ دعوت دی جاتی ہے کہ میری پیروی کرو۔ اللہ تم کو دوست رکھے گا اور اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ (سورہ طور آیت ۲۱) وہ لوگ جو ایمان لائے اور جب ان کی ذریت نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم نے ان کی ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔ معنی پھر یہ ہیں، جو ایمان لائے، ان کی ذریت ان کی اولاد نے ان کی پیروی کی تو ہم نے ان کی ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔

ابراہیمؑ کہتے ہیں فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ (سورہ ابراہیم آیت ۳۶) "جو میری متابعت کرے وہ مجھ سے ہے۔" اس نے رسولؐ نے دیکھا جو محمد آل رسولؐ نے رسولؐ کی یہاں تک پیروی کی کہ ایمان میں آلِ رسولؐ رسولؐ سے ملحق ہو گئی تو رسولؐ نے کہا حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔" یہ اس لئے نہیں کہا تھا کہ بیٹی کا بیٹا ہے، فاطمہؑ کا نور نظر ہے، یہ اس لئے نہیں کہا تھا کہ نواسہ ہے بلکہ امام حسینؑ نے اتنی پیروی کی کہ رسولؐ کے نقشِ قدم پر ایسے چلے کہ ہم نے ان کو ذریت کو ان سے ملحق کر دیا۔

اور اس طرح قولِ ابراہیمؑ کی تکمیل ہوئی "جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔" یہ ہے مقام بیعتِ حسینؑ، وہ حسینؑ جس کی یاد کو منانے کے لئے اور جس کے غم کو باقی رکھنے کے لئے اور ماتم کرنے کے لئے ہم آج یہاں پر جمع ہوئے ہیں، بہ اعتبارِ منزلت و متابعت یہ ذکر ذکرِ حسینؑ نہیں، ذکرِ محمدؐ عربی ہے۔ یہ ذکر ذکرِ خاتم النبیینؐ ہے۔ اب آپ سمجھ گئے اس ذکر کی اہمیت کیا ہے۔ اگر تابع ہیں حسینؑ رسولؐ کے اور اگر رسولؐ تابع ہیں وحی کے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حسینؑ مرضی مولا کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، اگر مدینے سے نکلے تو مرضی مولا تھی، اور اگر مکے کو چھوڑا تو مرضی مولا ہی تھی، اور اگر کربلا میں آنا تھا تو مرضی مولا ہی تھی، اور اگر یہ طے کر لیا تھا کہ ہمارے خیمے فرات سے

ہٹ جائیں گے تو مرضی مولا ہی تھی اور یہ طے کر لیا تھا کہ ۲، کا لشکر ہزاروں سے ٹکرا جائے گا تو مرضی مولا ہی تھی۔

کوئی یہ نہ کہے کہ حسینؑ نے ایسا کیوں کیا؟ اس واسطے کہ حسینؑ تابع وحی الٰہی ہے۔ تابع ہوا و ہوسِ شیطانی نہیں ہے۔ اسی لئے حسینؑ نے بیعت سے انکار کیا تھا کہ دنیا جان لے کہ بیعت تابع ہوس ہوتا ہے۔ جو ایک مرتبہ اپنے آپ کو ذاتِ واجب کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے، وہ پھر کسی اور کے ہاتھوں نہیں بکتا۔ ظلم کرنے والے ہوا و ہوس کی متابعت کرتے ہیں، ظلم کرنے والے یَاْمُرُوْنَ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (سورہ نور آیت ۲۱) تم کو برائی کا حکم دیتے ہیں وہ تم کو بری باتوں پر آمادہ کرتے ہیں۔ فرزندِ رسولؐ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور آواز آئی فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (سورہ توبہ آیت ۱۱۱) پس خوش ہو جاؤ۔ پس بشارت پا جاؤ کہ تم نے بڑا اچھا سودا کیا ہے اور یہ کامیابی عظیم ہے۔ عظیم کامرانی ہے۔

فرزندِ رسولؐ متابعت رسولؐ کی منزل پر ہیں۔ اور اس متابعت کی آخری منزل ہے کہ جہاں آواز دیتا ہے قرآن وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (سورہ طٰہٰ آیت ۴۷) سلام ہو اس پر جو ہدایتوں کی پیروی کرے۔ اگر قرآن[1] میں سَلٰمٌ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ ہے، اگر قرآن میں سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ اور سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ہے تو پھر کربلا والوں کے لیے بھی قرآن میں سلام موجود ہے اور وہ یہ کہ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی "سلام ہو اس پر جس نے ہدایتوں کی پیروی کی" وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (سورہ نمل آیت ۵۹) سلام ہو اس پر جو اس کے بندوں میں چنے ہوئے بندے ہیں۔ مصطفٰے بندے ہیں۔ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ

---

[1] انبیاء پر سلام سورہ صافات آیت ۷۹، ۱۰۹، ۱۲۰، اور ۱۳۰ میں ہیں۔

(سورۂ رعد آیت ۲۴) سلام ہو تم پر کیا صبر کیا تم نے، میرے صابر بندوں پر سلام ہو
سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (سورۂ یٰسین آیت ۵۸) رب رحیم کی طرف سے سلام ہو
سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ (سورۂ زمر آیت ۷۳) تم پر سلام ہو، یہ جنتوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔"

وہ جہاں ملائکہ مقربین شہداء پر سلام کر رہے ہوں، جہاں ہدایت پانے والوں پر سلام لازم ہے تو وہاں ایک مرتبہ ہم سلام کریں اور اس آقا کو سلام کریں، اس مولا پر سلام کریں کہ جس پر اس وقت سلام ضروری ہے۔ سلام ہو میرا کربلا کے اس شہید پر جس کی لاش اس وقت بے گور و کفن پڑی ہے، سلام ہو میرا فرزند رسول آپ پر اس لئے کہ آپ نے صبر کیا۔ اس لئے کہ آپ نے ہدایت رسولؐ کی پیروی کی سلام ہو میرا فرزند رسولؐ آپ پر اور اس بہنے والے خون پر، اس بہنے والے لہو پر، اس شہید پر جو آپ کے زانوؤں پر دم توڑ رہا تھا، ایک ایک شہید پر ہمارا سلام ہو، فرزند حسینؑ ابن علیؑ پر سلام ہو، برادران حسینؑ ابن علیؑ مظلوم پر سلام، سلام ہو علی اکبرؑ پر، سلام ہو عونؑ محمدؑ پر، سلام ہو قاسمؑ ابن حسنؑ پر، سلام ہو عباسؑ ابن علیؑ پر اور سلام ہو ہمارا ان اصحاب و انصار پر جو لبیک کہہ کر اپنی جانیں فرزند رسولؐ پر نثار کر رہے تھے اور اعلان کر رہے تھے کہ ہم ہوا و ہوس کے ساتھ نہیں ہیں خدا کے ساتھ ہیں۔

ایک تقسیم ہو چکی تھی کربلا میں، اس طرف ہوا ہے اس طرف خدا ہے، جو خدا کے ساتھ ہے ان سب پر ہمارا سلام ہے۔ ہمارا سلام ہو شام غریباں کی اس مجلس میں اس امام مظلوم پر جس نے آخر وقت تک انتہائی صبر و استقلال و استقامت سے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ہدایتوں کے ساتھ ساتھ ہے۔ اور جس کے ساتھ مرنے والے ایک ایک شہید نے اس بات کا ثبوت دیا کہ وہ ہدایت کے ساتھ ہے

کسی ہوا اور ہوس کے ساتھ نہیں ہے۔

ہمارا سلام قبول ہو رہا ہے۔ ہم اب سلام کریں گے اس بی بی پر جس کا نام ثانی زہرا زینبؑ کبریٰ ہے جو فاطمہ زہراؑ کی نائب ہے۔ بی بی غلاموں کا سلام قبول ہو۔ بی بی آج پہلی رات ہے، جہاں اہل حرم کی نگرانی آپ کو کرنا ہو گی۔ بی بی کل تک عباسؑ تھے کل تک عونؑ و محمدؑ تھے۔ کل تک قاسم ابن حسنؑ تھے۔ کل تک علی اکبرؑ تھے، بی بی آج آپ جلے ہوئے خیموں کی نگرانی کریں گی۔ ہمارا سلام قبول ہو اور ہمارا سلام ہو اس یتیم بچی پر کہ جو طمانچے کھا کھا کر چچا کو پکار رہی ہے۔ آؤ چچا خیمے جل رہے ہیں چچا نہیں آئے، سکینہؑ کا کرتا جل گیا چچا نہیں آئے۔ سکینہؑ نے طمانچے کھائے چچا نہیں آئے، بی بی ہمارا سلام ہو آپ پر، سکینہؑ بی بی آپ رات کے اندھیرے میں، آپ جائیں گی بابا کے سینے پر سونے کے لئے۔

کلمۂ طیبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (سورۂ زخرف آیت ۲۸) حضرت ابراہیمؑ کے لئے ارشاد ہوا کہ انہی کی اولاد میں ہمیشہ باقی رہنے والا کلمہ چھوڑ دیا تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ کلمہ باقیہ یعنی قیامت تک اولاد امام حسینؑ میں جو آئمہ ہوں گے ان کا ایک فرد باقی رہے گا۔

ہمارے عقائد سے عالم اسلام باخبر ہے۔ اور بعد دورِ آئمہ اہلبیتؑ غیبت صغریٰ ہی کے زمانے میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب کتابوں میں علمائے اسلام نے ہمارے عقائد کو جان کر ان سے واقفیت حاصل کر کے ان کا اختلاف کیا اور وہ مباحث پیدا کئے کہ جن مباحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو ہمارے پورے اصول کا علم تھا۔ اور ہم اس بات پر مطمئن ہیں کہ ہمارے عقائد میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو چھپی ہوئی ہو۔ کسی منزل پر کسی موقع پر عقائد کا کتابوں میں مکنون ہونا یا چھپا ہوا رہنا ثابت نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص اپنی جان کے خطرے سے یا کسی اور مصیبت کی وجہ سے کسی مقام پر اپنے مکمل عقائد کا اظہار نہ کرے۔ لیکن ساری کتابوں

میں ہمارے پورے عقائد موجود ہیں۔ اور اس اعتبار سے اگر کوئی شخص عالم اسلام سے یہ کہے کہ اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ آٹھویں ربیع الاول کی تاریخ ہے تو میں سمجھوں گا کہ اسے یقیناً کوئی دھوکا ہوا ہے اور وہ اس دھوکے کو اپنے آپ پر قائم رکھنا چاہتا ہے۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کا اسلام سے تعلق ہو اور آٹھویں ربیع الاول کی تاریخ سے واقف نہ ہو۔ میں عوام کی بحث میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا ہوں اس واسطے کہ ظاہر ہے کہ عوام کو نہ رسالتمآبؐ کی تاریخ ولادت معلوم ہے اور نہ امیرالمومنینؑ کی اور نہ ہی ان کی تاریخ وفات کا کوئی علم ہے نہ خلفائے کرام کی ولادت و وفات معلوم ہے اور نہ صحابۂ کرام کی ولادت و وفات معلوم ہے۔ آٹھویں ربیع الاول سے اگر عوام ناواقف ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن جو خواص ہیں جو صاحبانِ علم ہیں۔ اب سب کو ان تاریخوں کا علم ہے اور اس میں ایک حقیقت ہے کہ وہ ہستیاں جن سے یہ تاریخیں منسوب ہیں کوئی ایسی گمنام ہستیاں تو تھیں نہیں کہ ان کے متعلق تاریخ عالم چپ ہو جاتی یا مورخین خاموش ہو جاتے۔ بلکہ اس وقت جو کچھ لکھنا چاہتے تھا سب کچھ لکھا گیا تھا۔ ہماری حد تک صرف یہ امر ہے کہ مَا لِاَوَّلِنَا وَلِآخِرِنَا یہ ہمارا اصول ہے اور اصول کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ یہ اصل کی جمع ہے لیکن واحد بھی استعمال ہوتا ہے کہ ہمارے عقائد میں یہ اصول ہے مَا لِاَوَّلِنَا وَلِآخِرِنَا کہ جو چیز ہمارے اول کے لئے ثابت کی گئی ہے وہی ہمارے آخر کے لئے ثابت کی گئی ہے۔ اور اسی لئے زیارت جامعہ کے آخری ٹکڑے میں تلاوت کی گئی تھی جہاں آپ زیارتِ جامعہ پڑھتے ہوئے یہ کہتے ہیں۔ بما تولیت بہ آخرکم بما تولیت بہ اولکم کہ اے آلِ محمدؐ! ہم نے تمہارے آخر کی ولایت کو اس طرح تسلیم کیا ہے جس طرح تمہارے اول کی ولایت کو قبول کیا۔ پس وہ زیارتِ جامعہ جس کا اہم ٹکڑا یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اے آلِ محمدؐ! وبموالاتکم تمت الکلمۃ تمہاری ہی محبت کی وجہ سے کلمہ تمام ہوا

قرآن کہتا ہے کہ تمت کلمۃ ربک صدقا و عدلا تیرے رب کا کلمہ صدق و عدالت کے ساتھ ختم ہوا۔ آلِ محمدؐ کی نص یہ ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں وبموالاتکم تمت الکلمۃ تمہاری محبت سے کلمہ تمام ہوا۔ اور قرآن کہتا ہے کہ صداقت اور عدالت ہی اتمام کلمہ ہیں۔ آل محمدؐ کہتے ہیں کہ محبت آل محمدؐ اتمام کلمہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاں محبت آل محمدؐ آجائے وہاں صداقت آجاتی ہے۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ آٹھویں ربیع الاول پر گفتگو کرتے ہوئے ایک امر کو واضح کر دوں کہ زیارت جامعہ کا بھی آپ سے تاغر نہ ہو علیکم بالجامعۃ علیکم بالجامعۃ بار بار آواز آرہی ہے حضرت حجتؑ کی زبان سے اور خصوصیت کے ساتھ امام علیہ السلام نے زیارت جامعہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آپ مفاتیح الجنان کھول کر جب شروع کریں گے تو ان کے بعض جتنے واقعات ہیں وہ سب حضرت حجتؑ سے منسوب ہیں کہ جس میں زیارت جامعہ پر گفتگو ہے۔ وبموالاتکم تمت الکلمۃ وائتلفت الفرقۃ، تمہاری محبت کی وجہ سے کلمہ ختم ہوا۔ اور فراق ہوا، جدائی ختم ہوئی افتراق ضائع ہوا اور اختلاف دور ہوا۔ تمہاری مودت پر آپس میں دل مل گئے۔ تمہاری مودت پر سب آپس میں جمع ہو گئے۔ ہمارا اتحاد، ہمارا مل جانا، ہماری یگانگت ہماری یکجائی یہ سب کچھ تمہاری محبت و مودت پر منحصر ہے۔ وبموالاتکم علمنا اللہ معالم دیننا اور تمہاری مودت کی وجہ سے اللہ نے ہمیں ہمارے دین کے طریقے بتلائے ہمارے دین کے راستے بتلائے۔ تعلیم ملی۔ تمہاری مودت کی وجہ سے دین کی راہ پائی۔ وبموالاتکم علمنا اللہ معالم دیننا واصلح ما کان فسد من دنیانا اگر ہماری دنیا بگڑ گئی، ہماری دنیا میں فساد ہو گیا تو تمہاری مودت نے بڑھ کر ہمیں سنبھال لیا۔ واصلح ما کان فسد من دنیانا اور اگر ہماری دنیا میں کوئی بات فاسد ہو گئی تو تمہاری محبت نے اس فساد کو ختم کیا۔ ہماری دنیا کو سنبھال لیا یعنی دین و دنیا کی رونق تمہاری محبت ہی کی وجہ سے ہے۔

دین و دنیا میں ہماری عزت تمہاری محبت کی ہی وجہ سے ہے۔ اسی وابستگی سے ہم جیتے ہیں۔ اسی وابستگی کی وجہ سے ہم زندہ اور باقی ہیں۔ اسی وابستگی سے دنیا کو اعتراض ہے۔ اسی وابستگی کی وجہ سے دنیا حسد کرتی ہے۔ دنیا نے فقط آل ابراہیمؑ سے حسد نہیں کیا بلکہ دنیا نے آل ابراہیمؑ کے دوستوں سے بھی حسد کیا ہے۔ دنیا نے فقط آل ابراہیمؑ پر ظلم نہیں کیا بلکہ دنیا نے آل ابراہیمؑ کے دوستوں پر بھی ظلم کیا ہے۔ محبت کرنے والے فقط زبانی دعویٰ نہ کریں۔ بلکہ ان مصائب کے لیے بھی تیار ہو جائیں جو آل ابراہیمؑ پر پڑتے رہے ہیں۔ اسی لئے امیرالمومنین نے فرمایا ہے کہ من احبنا اھل البیت فلیستعد للفقر۔ جو آل محمد کو دوست رکھیں، جو آل محمد کے اہل بیت کو دوست رکھیں وہ فقر و فاقہ کے لئے ایک چادر بھی تیار کر لیں۔ اور فقر و فاقہ کے لئے تیار ہو جائیں کہ معلوم نہیں کب مصیبت آپڑے۔ معلوم نہیں کب آسمان ٹوٹ پڑے، معلوم نہیں کب زمین پھٹ پڑے یہ اشارے ہیں۔ یہ کنائے ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش کیجیے جو آل محمدؐ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ مصیبت کو برداشت کرنے کے لیے بھی تیار رہے۔ یہ نہ سمجھتا رہے کہ دنیا اس کا اسی طرح ساتھ دے گی جیسا کہ جاگیرداروں کا دنیا نے ساتھ دیا ہے۔ جیسا کہ مستعد انسانوں کا دنیا نے ساتھ دیا ہے۔ جو مظلوم کا ہمدرد ہوتا ہے۔ دنیا اس کا اکثر ساتھ نہیں دیتی ہے۔ اب جو یہ جملہ وبموالاتکم اصلح ما کان فسد من دنیانا تمہاری محبت کی وجہ سے جو دنیا ہماری فاسد ہو گئی تھی اس میں اصلاح ہو گئی ہے۔ جو دنیا ہماری برباد ہو گئی تھی وہ بچ گئی ہے۔ اس کو سمجھ لیجیے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ نے ہم کو اس دنیا کی دولت عطا کی ہے۔ بلکہ آپ کی محبت نے ہماری دنیا کو اس طرح صرف کروایا کہ دنیا ہماری مزرعۂ آخرت بن گئی۔ یہ دنیا ہماری آخرت کی کھیتی بن گئی۔ یہ دنیا ہماری باقیات

وصالحات بن گئی۔ مال ملا، آل محمدؐ کی محبت میں خرچ ہو گیا۔ اولادِ علیؑ آلِ محمدؐ کی خدمت کے لئے نذر ہو گئی المال والبنون زینۃ الحیوٰۃ الدنیا والباقیات الصالحات یہ سچ ہے کہ مال اور اولاد دنیا کی زینت ہے مگر جب آل محمدؐ کا تصرف ہوتا ہے قلب انسانی پر تو مال بھی باقیات وصالحات بن جاتا ہے، اولاد بھی باقیات وصالحات بن جاتی ہے اور یہ باقی رہنے والی نیکیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کام میں آتی ہیں۔ دنیا نہ رہے تو پھر آخرت میں سوال کاہے کا ہے۔ دنیا نہ ہو تو پھر آخرت میں گفتگو کاہے کی ہے۔ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ اے دنیا کی مذمت کرنے والے! ابھی تو نے دنیا کو نہیں پہچانا۔ الدنیا متجر لاولیاء اللہ کہ دنیا دوستانِ خدا کے لئے تجارت کی منڈی ہے کہ جہاں انسان سودا کرتا ہے۔ جہاں انسان بازار میں جاکر اپنی جنس حیات کو بیچتا ہے۔ اور جنس محبت کو خریدتا ہے۔ جہاں سے آل محمدؐ کے موالات کو خریدتا ہے۔ یہی وہ منڈی ہے یہی وہ تجارت گاہ ہے کہ جہاں پہلوانؑ نے سبقت کی، اور جن کے لئے قرآن نے گواہی دی ومن الناس من یشری کون ہے ان لوگوں میں جو اپنے نفس کو بیچ کر مرضی الٰہی خریدے۔ اس تجارت میں شریک ان کا خدا تھے، جنہوں نے سبقت کی اور اپنی حیات کو دے کر مولا کی مرضی کو خرید لیا۔ ہمارے لئے کوئی ایسا موقف نہیں ہے اس لئے ہم حیات کو بیچ کر ان کی مودت کو لے لیتے ہیں۔ جنہوں نے مرضی مولا کو خریدا تھا اب ان کی مودت کو ہم لے لیتے ہیں تاکہ صحیح معنوں میں یہ مودت بہترین سودا بن جائے۔

میرے محترم بزرگو۔ آٹھویں ربیع الاول کے معنی یہ ہیں کہ پہلی محرم سے جس غم کا آغاز ہوا تھا وہ آج ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ہم تھک گئے ہیں اس لئے کہ یہ سیرت آل محمدؐ ہے کہ ۶۶ھ میں کامل پانچ برس کے بعد جب مختار نے قاتلوں کے سر محمد حنفیہ کے پاس بھیجے۔ میرے ان لفظوں پر غور کیجئے اور ان

ناموں کا خیال کیجئے۔ محمد حنفیہ کے پاس جب قاتلوں کے سر پہنچے اور محمد حنفیہ نے عابد بیمارؑ کو اطلاع دی کہ فرزند رسولؐ یہ سر آئے ہیں تو آپ نے حکم دیا کہ سید زادیاں آج اپنا سوگ تمام کریں تو اس کی یاد اس لئے آٹھویں ربیع الاول کو منائی جاتی ہے۔ آج کی تاریخ یعنی آٹھویں ربیع الاول الم وغم و ہم کی سیرت آئمہؑ کے اعتبار سے ہے۔ اور نویں کی حد تک۔ نویں کی بات آپ کے علم میں ہے اس کا تذکرہ پھر کسی وقت کروں گا۔ جب میں اس کے متعلق گفتگو کروں گا تو زمانے کے امام حضرت حجت کی تخت نشینی اور تاج پوشی کے عنوان پر اگر یہ شب ہمارے لئے کتنی اہم ہے کل کا دن ہمارے لئے کتنا اہم ہے۔ تاریخ اسلام کو اس سے کیا تعلق ہے کس طرح سے ہماری زندگی ہونی چاہیے۔ بہر حال آج کی حد تک یہ ہے کہ آج غم کا آخری دن ہے۔ اور آج کی تاریخ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منسوب ہے۔ امام حسن عسکری سے متعلق ایک بات کا خیال رکھیں کہ ہفتہ کا پنجشنبہ امام حسن عسکری کا دن ہے اور جمعہ امام زمانہؑ سے منسوب ہے۔ پنجشنبہ کو امام حسن عسکریؑ کی زیارت کو آئمہ نے ضروری خیال فرمایا ہے۔ زیارت کی صرف دو سطریں ہیں کہ کو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے جب پنجشنبہ ہو امام حسن عسکری کو یاد کر لینا ضروری ہے اس لئے کہ امام حسن عسکری کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ صرف اٹھائیس برس کا سن ہے چھ برس مدت امامت اور چھ برس قید۔ احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے یہ ہمارا اصول کافی اور فروع کافی کا مشہور راوی ہے۔ وہ ابو محمد سے روایت کرتا ہے جن کی کنیت آپ کو معلوم ہے۔ ابو محمد دو معصومین کی کنیت ہے۔ حسنؑ مجتبیٰ اور حسنؑ عسکری کی ہے۔ یہ بھی حسنؑ ابن علیؑ ہیں وہ بھی حسنؑ ابن علیؑ ہیں۔ ان کا نام حسنؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے اور ان کا نام حسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ ہے۔ ان کی کنیت ابو محمدؑ ہے۔ ان کی کنیت بھی ابو محمدؑ ہے۔ لیکن فقہ کی کتابوں میں جب

لفظ ابو محمدؑ آئے تو مطلق حسن عسکری مراد ہیں اس واسطے کہ اگر امام حسنؑ سے کوئی روایت ہو تو ہمارا راوی یہی کہے گا کہ عن حسنؑ ابن علیؑ ابن ابی طالب وہاں کنیت استعمال نہیں ہوگی۔ اس طرح سے کہ جیسے اگر روایت میں کہا جائے کہ ابی الحسن تو آپ امیر المومنین قطعاً خیال نہ کریں۔ اگرچہ امیر المومنین کی کنیت ابو الحسن ہے۔ لیکن فقہ کی کتابیں امام موسیٰ کاظمؑ، امام علی رضاؑ اور امام علی نقی سے اس کنیت کو منسوب کرتی ہیں۔ امام موسیٰ کاظم ابو الحسن اول ہیں، امام علی رضاؑ ابو الحسن ثانی اور امام علی نقی ابو الحسن ثالث ہیں فقہ کی کتابوں میں ہمیشہ آپ کو اس کی تشریح ملے گی کہ عن ابو الحسن اوّل، عن ابو الحسن ثانی، عن ابو الحسن ثالث تو ابو محمدؑ امام حسن عسکری کی کنیت ہے اور مطلقاً ان کے لیے ہی ہے۔ احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے کہ میں سر من رائے پہنچا اور میں نے بڑی کوشش کی، زندان بان کو میں نے انعام کا لالچ دیا اور خواہش کی کہ میں کسی صورت سے امامؑ سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے بہت ضروری کام ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ نصف شب کے بعد آنا۔ احمد بن اسحاق کہتا ہے کہ آدھی رات گذرنے کے بعد میں وہاں پہنچا تو اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے امام کے کمرے تک پہنچا دیا۔ احمد بن اسحاق کہتا ہے کہ امام پر نظر پڑنے سے پہلے میں کمرے کو دیکھ کر رو پڑا کہ وہ اس قسم کا کمرہ تھا کہ اس میں ایک آدمی بمشکل تمام کھڑا ہو سکتا تھا۔ احمد بن اسحاق نے زندان بان سے پوچھا کہ یہ کمرہ کیسا ہے یہ جگہ کیسی ہے۔ کہا کہ یہ کمرہ نہیں ہے یہ کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے بلکہ یہ سامرہ کے تاجداروں بنو عباس نے اپنے محل کے نیچے یہ تھوڑی دیر کھڑے ہونے کے واسطے کمرہ بنایا ہے۔ یہ دریا سے متصل ہے اگر کوئی اوپر سے حملہ کر دے تو بادشاہ تھوڑی دیر ستائے اور اسی راستے سے کشتی میں سوار ہو کر دجلے کے راستے سے نکل جائے۔ یہ رہنے کا مقام نہیں ہے۔ ابن اسحاق بیان کرتا ہے کہ جہاں

آدمی بمشکل کھڑا ہو سکتا ہے وہاں چھ برس تک امام قید رہے ان امور کو یاد رکھیے دنیا سے لاکھوں انسان مر جاتے ہیں جن کی عمر اٹھائیس سال ہوتی ہے ہم کو مدت نہیں رلاتی کہ وہ اٹھائیس برس کے سن میں مر گئے بلکہ اس لیے روتے ہیں کہ وہ شقاوت جو ان کے لیے روا رکھی گئی، وہ ظلم جو ان کے لیے جائز رکھا گیا، وہ ستم جو ان پر ڈھائے گئے، وہ مصیبتیں جو ان پر توڑی گئیں اگر وہ بیان نہیں کی گئیں تو میں سمجھتا ہوں کہ جو اس ذکر سے گریز کرے گا شاید وہ شقی ہوگا ورنہ تعجب ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے چھ برس تک کس طرح شقاوت کو گوارا کیا۔

احمد بن اسحاق بیان کرتا ہے کہ میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے گفتگو کی تو آواز میں نقاہت تھی اور مجھے بہت ہی توجہ کے ساتھ سننا پڑتا تھا۔ میں نے عرض کی فرزند رسولؐ! علاج معالجے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ ایک مرتبہ صورت دیکھی اور فرمایا، ابن اسحاق کئی مرتبہ زہر دیا جا چکا ہے۔

ہم پر امام حسن عسکریؑ کا احسان ہے کہ ہمارے اصول کا معائنہ کیا۔ ہماری ساری کتابوں کو پڑھا۔ ہماری ساری تفسیروں کو پڑھا۔ جہاں جہاں کمی تھی علماء کو بلا کر سمجھا دیا کہ اس کمی کی تکمیل کرو۔ جہاں جہاں مسائل تشنہ رہ گئے تھے ان کو مکمل کر دیا۔ باب الدیات کو مکمل کیا۔ باب المیراث کو مکمل فرمایا، باب الطلاق باب الرضاعۃ کو مکمل فرمایا۔ جب فقہا کہتے کہ فرزند رسولؐ! یہ مسئلہ باقی رہ گیا ہے تو فرماتے لکھوا لو۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ یہ دور تدوین ہے یعنی جب فقہ کو مکمل کر دیا اور جب یہ جان لیا کہ اب میرے دوستوں کو قیامت تک کوئی تکلیف نہیں ہوگی قیامت تک کوئی کمی نہ ہوگی تو اس وقت فرمایا من کان من علمائنا مخالفاً لھواہ مطیعاً لامر مولاہ فللعوام ان یقلدوہ کہ جب ہمارے علماء اپنے ہوا و ہوس کے

مخالفت کریں اور اپنے مولا کے حکم کی اطاعت کریں۔ پس اس وقت عوام کے لئے لازم ہے کہ ایسے علماء کی تقلید کریں۔ تو یہاں علماء کی تقلید کو کھول دیا۔ باب اجتہاد کو کھول دیا۔ تدوین کو مکمل کر دیا اس کے بعد جب یہ دیکھا کہ ستم پر ستم ڈھائے جا رہے ہیں تو اسی کی مرضی سے غیبت صغریٰ کا حکم دیا کہ جس کا نتیجہ غیبت کبریٰ ہے۔

یہ ہے وہ مختصر سی تاریخ کہ جس کا جاننا آپ سب پر لازم ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اتنے سنگین قید خانے میں آپ نے علماء سے پوچھا فضل بن شہزان کی کتنی کتابیں ہیں۔ لوگوں نے عرض کی ایک سو اسی کتابیں ہیں اصول شیعہ پر۔ فرمایا سب کی سب کتابیں حاضر کرو۔ جب ایک سو اسی کتابیں آگئیں تو ان کو شروع سے آخر تک پڑھ کر اس کے آخر میں دستخط فرما دیئے اور کہا کہ خدا فضل کرے فضل بن شہزان پر۔ یہ فقرہ تین مرتبہ فرمایا اور فرمایا کہ میں اپنے دوستوں کو اجازت دیتا ہوں کہ ان کتابوں پر اپنے احکام کو منحصر کر دیں اور استنباطِ احکام کے لئے ان اصول سے مدد لیں۔ آپ ہی سے تفسیر مروی ہے۔ آپ ہی سے وہ تمام روایت مروی ہیں۔ جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ یہ کوئی خیال نہ کرے کہ امام حسن عسکریؑ کا کبھی تذکرہ نہیں ہوتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نصوص قطعی کی بنا پر مجبور ہیں فقط ذکر حسینؑ اور ذکر علیؑ کے لئے۔ یہ پھر کبھی عرض کروں گا کہ اس کی مصلحت کیا ہے فقط اس واسطے کہ اگر عالم اسلام ان دونوں پر متفق ہو جائے تو بارہ کے بارہ پر متفق ہو جائے گا۔ اس لئے حکم دیا کہ ان دو کے تذکرے کو جاری رکھو زینوا مجالسکم بذکر علی یہ نص قطعی ہے دوسری نص قطعی امام رضاؑ کی ہے یا ابن شبیب ان کنت باکیاً علی حق جدنا۔ اے شبیب! اگر تجھ کو کسی بات پر رونا آئے تو ہمارے جد غریب پر رو رو کر روئے۔ ان ہی دو نص قطعی کی بنا پر کبھی علیؑ کا تذکرہ کرتے ہیں کبھی حسینؑ کا ذکر کرتے ہیں۔ ورنہ امام حسن عسکریؑ کا ذکر بھی یہی منزلت رکھتی ہے یہی مقام رکھتا ہے "ما اولنا و لا آخرنا" جو ہمارے

اول کے لئے ثابت ہے وہی ہمارے آخر کے لئے بھی ثابت ہے۔ گفتگو کو ختم ہونا چاہئے۔ آٹھویں ربیع الاول کی صبح آئی تو تاریخ اسلام بتاتی ہے شاید جمعہ کی صبح تھی آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا۔ نماز صبح سے فارغ ہوئے تھے۔ جمعہ حضرت حجت کے لئے اور پنجشنبہ امام حسن عسکری کے لئے مخصوص ہے۔ جمعہ کی صبح ابھی طالع نہیں ہوئی تھی کہ آپ نے اپنے فرزند کو طلب کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سامرہ کے قید خانے میں کل تین آدمی تھے یا امام حسن عسکری تھے، یا پانچ برس کا صاحبزادہ تھا یا ایک کنیز تھی۔ اس کے علاوہ پتہ نہیں چلتا وطن دور، مدینہ دور، جد کا روضہ بہت دور۔ بار بار اپنے جد کو سلام کرتے اور کہتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا جَدَّاہ حضرت حجتؑ کو بلایا، اسرار امامت سپرد کئے اور ایک ایسے عالم میں بندگی الٰہیہ میں مصروف ہو گئے۔ غلام خاص کافور بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ امامؑ کے چہرے پر کبھی سرخی دوڑتی تھی کبھی سبزی آجاتی تھی اور کبھی زردی طاری ہو جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زہر بڑی تیزی کے ساتھ اثر کر رہا ہے پائے اقدس متورم ہو چکے تھے۔ ہاتھ میں شدید رعشہ تھا۔

جام آب طلب کیا مگر رعشہ کی وجہ سے پانی لبوں تک نہ جا سکا۔ پانچ برس کے صاحبزادے سے فرمایا بیٹا! تم اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ کو پانی پلا دو آخری مرتبہ ہماری یہ خواہش ہے۔ تاریخ ائمہ میں یہ واحد مثال ہے کہ اس طرح کی تنہائی ہو اور پھر اکیلا یہ صاحبزادہ ساتھ ہو اور اس صاحبزادے کو یہ یقین ہو کہ میرا باپ مجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جب امام رضاؑ سفر کے لئے جا رہے تھے تو امام تقیؑ جواد کا سن چھ برس کا تھا جب تقی جوادؑ کو اس کا علم ہو گیا کہ میرا باپ طواف کعبہ کر چکا ہے اور گھوڑے پر سوار ہو رہا ہے تو امام تقی جوادؑ مٹی پر بیٹھ گئے اور مٹی کو اپنے سر پر ڈالنے لگے۔ جب امام رضاؑ کی نظر پڑی تو کہا بیٹا یہ کیا کر رہے ہو۔ عرض کی بابا جان جس

کو اپنے یتیم ہو جانے کا علم ہو وہ کیا کرے۔

یہ اور واقعہ ہے کہ اس کمسن صاحبزادے کو دیکھئے معلوم ہے کہ باپ دنیا سے جا رہا ہے مگر راوی بیان کرتا ہے کہ کمال صبر کی تصویر تھے۔ حضرت حجت نے اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو پانی پلایا۔ اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو وضو کرایا۔ احکام واجب وضو ادا کئے۔ اپنے ہاتھ سے اپنے پدر گرامی کا مسح کیا۔ اب اس کے بعد اپنے پدر گرامی کو قبلہ رخ کیا۔ نماز میں مصروف ہو گئے تو غلام بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا حضرت نے زمین کے اوپر سجدہ کیا اور اسی سجدے کی حالت میں یہ آواز دی یا غیاث المستغیثین۔ امام حسن عسکری کی یہ عجیب روائیداد ہے۔ بہر حال مجھے اور آگے جانا ہے تاکہ آپ پر واضح کردوں کہ میں آپ کو کیوں زحمت دے رہا ہوں۔

ایک مرتبہ نماز سے فارغ ہو کر آواز دی یا مہتی بیٹے کا نام لیا۔ وہ نام کہ جس کو بغیر مکمل تعظیم کے نہیں لے سکتے، بیٹے کا نام لیا اور کہا دیکھو تمہارا باپ تم سے رخصت ہو رہا ہے تم چلے جاؤ۔ دیکھو بیٹا! قبل اس کے کہ کوئی تم کو دیکھے چلے جاؤ۔

راوی کہتا ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ امام بار بار کہہ رہے تھے کہ چلے جاؤ لیکن امام جانا نہیں چاہتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ صاحبزادہ ایک قدم آگے بڑھا اور بولا میرے بابا جان کہاں ہیں۔ حسن عسکری کہاں ہیں راوی نے کہا کہ حسن عسکری دنیا سے چلے گئے تھے۔ کہا بلاؤ علما کو۔ علماء سامنے آئے، چادر کو ہٹا کر کہا کہ دیکھو ان پر کوئی آثار علت نزاع نہیں ہیں نزاعت کے نشانات نہیں ہیں، ان کو زہر نہیں دیا گیا۔ اعلان کر دو اور اس کے بعد معتمد نے کہا کہ میرے سامنے ان کی لاش باہر لائی جائے۔ چھ برس کے بعد امام حسن عسکری کا جنازہ باہر لایا گیا۔ اب تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں کہ جونہی جنازہ باہر آیا سر من رائے میں ایک آواز آئی یا ابن الرضا، اے رضا کے بیٹے! یعنی اہل سامرہ امام کو اس طرح پکارتے تھے۔ جب لاش باہر نکلی، بازار میں

گئے۔ تمام علماء جمع ہو گئے۔ سارے لشکر جمع ہو گئے سارے عسکر جمع ہو گئے تمام سامرہ کے مسلمان جمع ہو گئے۔ بغداد کو اطلاع ملی بغداد کے لوگ آ گئے۔ راوی کہتا ہے کہ آئمہ میں سے کسی کی لاش اس شان سے نہیں اٹھی۔ پورا سامرہ لاش کے ساتھ مشایعت جنازہ میں اس طرح سے آگے بڑھا کہ ساری دنیا کو حیرانی ہے۔ معتمد آگے آگے وزرا اس کے ساتھ ساتھ، علماء پیچھے پیچھے پورا شہر ساری دکانیں بند بغداد کی پوری خلقت آئی، اس طرح گیارہویں امام دفن ہوئے امام علی نقیؑ کے پہلو میں۔

واقعہ کو صدیاں گزر گئیں۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ ایک مرتبہ بنی عباسؑ کے آخری دور میں آخری بادشاہ سامرہ کی سیر کو چلا۔ امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکری کے روضے پر پہنچا۔ پوچھا یہ کس کی قبر ہے لوگوں نے کہا یہ امام علی نقیؑ کی قبر ہے۔ یہ شیعوں کا دسواں امام ہے اور یہ شیعوں کا گیارھواں امام ہے۔ اندر گیا۔ زیارت کی اور زیارت کر کے دیر تک قبر کو دیکھتا رہا اس کے بعد واپس گیا۔ لوگوں نے کہا کہ امیر! آپ یہاں تک جب آئے ہیں آپ کے دادا کی قبریں بھی یہاں موجود ہیں یہیں متوکل دفن ہیں۔ یہیں معتمد دفن ہیں۔ یہیں معتمد کا بیٹا دفن ہے یہیں متوکل کا باپ دفن ہے۔ کہا چل کے دیکھ تو لیجئے وہ چلا۔ پیچھے پیچھے دیکھا تو کھلا میدان ہے اجڑی ہوئی قبریں ہیں جانور لوٹ رہے ہیں۔ کوئی اس طرف جاتا نہیں مٹی کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں اس نے خاموشی سے ان قبروں کو دیکھا۔ وزیر نے کہا اب آپ تخت حکومت پر ہیں یہ آپ کے اجداد کی قبریں ہیں۔ وہ محمدؐ کے پوتوں کی قبریں ہیں معلوم نہیں کہ دنیا نے جن پر ظلم کئے ان کی قبریں بن رہی ہیں اور دنیا میں جنہوں نے حکومت کی آج وہ اجڑی ہوئی حالت میں ہیں۔ تو یہ آپ کے اجداد کی قبریں ہیں، یہ مناسب نہیں کہ آپ کی حکومت کا اقتدار ہے اور آپ کا بیت المال ہے

اپنے آباؤ اجداد کی قبریں تیار کریں اور ان کے روضے تیار کریں۔

راوی بیان کرتا ہے جو وزیر ہے کہ اب تک جیسے وہ بڑے سکون و وقار کے ساتھ خاموش کھڑا تھا۔ جب یہ جملہ ختم ہوا تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ کہا کہ تو کیوں پوچھتا ہے ان باتوں کو۔ اس لیے کہ خدا نے ہمارے آباؤ اجداد کو ذلیل ہونے کے لیے پیدا کیا تھا۔ اور آل محمدؐ کو عظمت کے لئے پیدا کیا تھا۔ یہ دنیا کے خزانے صرف کر دیں یہ قبریں آباد نہیں ہوں گی۔ دنیا کی دولتیں لگا دیں یہ روضے انہیں کے بنتے ہیں جن کو خدا عظمت دیتا ہے اور ان کو دنیا سلام کرتی ہے تو یہ روضے نہیں بن سکتے۔ جن کو خدا نے قابل سلام بنا دیا ہے ان کے روضے بنتے ہیں۔

یہ جملے آپ کی خدمت میں عرض کر دیئے گئے۔ تاریخ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے۔ اگر یہ اہم واقعہ آنے والی کسی تقریر سے شاید مربوط ہو جائے مگر یہ بڑی کام کی بات ہے کہ بادشاہ کا یہ کہنا کہ اگر میں سارا بیت المال بھی اپنے آباؤ اجداد کی قبریں بنانے میں صرف کر دوں تو وہ قبریں کبھی آباد نہ ہو سکیں گی جن کو خداوندِ عالم آبادی دے، جن کو خداوندِ عالم عظمت و عزت دے ان کی قبریں اسی قابل ہوتی ہیں۔ جن پر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک سلام کرنے والے سلام کرتے ہیں۔ ہم بھی آج اپنے امام کو بڑی دور سے سلام کرنا چاہتے ہیں۔ سلام ہو فرزندانِ رسولؐ! اے امام حسن عسکریؑ آپ پر سلام ہو۔ اس لئے سلام کہ آپ تدوین کے حاکم ہیں اور اس لئے سلام کہ حسن کا دور ہے یہ لازم ہے کہ اس کے لئے تعزیت کی جائے۔ تعزیت بھی ہو حسن کا دور ہے۔ یہ حجتؑ کا دور ہے۔ اس لئے رسم تعزیت بھی مکمل ہو۔ اے زمانے کے امامؑ! اللہ آپ کو صبر دے۔ آپ کے پدر گرامی کے غم میں پہلی محرم سے جو ذکر شروع ہوا تھا وہ اب ختم ہو چکا ہے حضرت

حجتؑ اگر اجازت دیں، اس لیے کہ میں ان کو حاضر و ناظر سمجھتا ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں وہ مصلحت سمجھتے ہیں وہاں موجود رہیں اگر وہ اجازت دیں تو میں ان کی بارگاہ میں سلام اور بندگی کے بعد عرض کروں کہ کیوں مولا! اگرچہ آپ کے پدرِ گرامی کا ماتم ہے اگرچہ آپ کے پدر گرامی کے ماتم کا دن ہے۔ لیکن آپ ہی کی مخصوص کی موجودگی میں اس غم کو ختم ہونا چاہئے۔ ذکرِ حسینؑ کو ختم ہونا ہے کہ پہلی محرم سے جس غم کو شروع کیا تھا آٹھویں ربیع الاول کو اس غم کو ختم ہونا ہے۔ تو پھر یہیں سے میں عرض کروں کہ مولا! یہ نامناسب نہ ہوگا کہ امام حسن عسکری باوجود غربت باوجود مصیبت، باوجود دقتیں، باوجود درد و آلام کی طمانیت تھی امام کو ایک سکونؑ تھا، امام کو اطمینان یہ تھا کہ اگرچہ میں تنہا ہوں لیکن اس وقت میرا ایک بچہ تو ہے۔ اس وقت میرا ایک بچہ میرے ساتھ ہے۔ اگرچہ کمسن سہی مگر جو اتنی طاقت رکھتا ہے کہ دشمن آئے تو پردے میں چلا جائے۔ دشمن پا نہ سکے۔ بڑی توجہ سے سنیئے! یہ سکون ہے قلبِ امام یازدہم کو کہ میرے بعد میرے بچے کو کوئی تکلیف نہیں دے سکتا میرے بعد میرے بچے کو کوئی طمانچہ نہیں مار سکتا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا! میں اپنی تقریر کو یہیں ختم کرنا چاہتا ہوں اور حضرت حجتؑ ہی سے اجازت لے کر ختم کرتا ہوں کہ فرزندِ رسول! یہ مقدر ہو چکا تھا کہ آپ کو متصد نہ دیکھے۔ یہ مقدر عطیہ الٰہی تھا کہ کوئی لشکر والا، کوئی دنیا کا انسان کوئی دنیا کی طاقت آپ کو پردے سے باہر نہ لا سکے۔ اگرچہ آپ کا سن پانچ برس کا تھا مگر جانے والا باپ اس بات کا یقین رکھتا تھا کہ میں مطمئن ہوں۔ میں تو جا رہا ہوں میرے بچے کو کوئی دکھ نہیں دے سکتا۔ میرے بچے کو اب کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ دو جملوں کی اجازت دیجئے کہ ہائے حسینؑ! اب نہیں معلوم کہ میرے لئے کون سا واقعہ قابل ذکر رہ جاتا ہے۔ مگر میں چاہتا یہی ہوں کہ جب آپ غم کو ختم کریں کسی ایسے واقعہ پر آکر غم کو ختم کرو۔ شاید حسینؑ

ابن علیؑ روضہ پر سن رہے ہوں تو بے چین ہو جائیں۔ ہاں! فرزندِ رسولؐ! یہ عجب واقعہ ہے کہ آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے۔ آخری منزل تھی بہنوں کو رخصت کر چکے تھے۔ عباسؑ نہ تھے علی اکبرؑ نہ تھے۔ عونؑ و محمدؑ نہ تھے۔ قاسمؑ نہ تھے۔ کوئی یار و ناصر نہ تھا۔ ہاں آپ اکیلے تھے۔ یمین کو دیکھا یسار کو دیکھا نظر یمیناً و شمالاً۔ داہنی جانب کو دیکھا، بائیں جانب کو دیکھا جب دیکھا کوئی نہیں ہے تو کہا ذوالجناح چل یہ آخری سواری ہے۔ جونہی ذوالجناح نے ارادہ کیا ایک مرتبہ گھوڑا رک گیا پوچھا کیوں چلتے نہیں۔ کہا مولا! یہ دیکھئے، آپ نے دیکھا تین برس کی بچی گھوڑے سے لپٹ گئی آپ گھبرائیں نہیں آپ پریشان نہ ہوں آپ حیران نہ ہوں یہ ہماری آخری مجلس ہے۔ یہ ہمارا آخری غم ہے۔ اس کے بعد پھر ہماری محافل ہیں۔ پھر ہمارے جشن ہیں۔ سیرت کے جلسے ہیں۔ محفل و میلاد ہیں۔ ہم پھر سب کے ساتھ ہیں لیکن آج غم کا خاتمہ ہے۔ اس لئے تمنا کے ساتھ کہ اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو مکمل ہو جائے یہ دو چار جملے سنئے کہ حسینؑ گھوڑے سے اترے۔ بیٹی کو گلے سے لگا لیا کیوں سکینہؑ کیا ارادہ ہے۔ عرض کیا بابا جان! کہاں جا رہے ہو۔ فرمایا میں وہاں جا رہا ہوں جہاں جا کر مسافر واپس نہیں آتے۔ سکینہؑ نے عرض کیا بابا! ہم کو اپنے نانا کے روضے پر پہنچا دیجئے۔ ارشاد فرمایا سکینہ! پہنچاتا مگر کیا کروں بیٹی راستے بند ہیں۔ سکینہ نے کہا بابا! اگر اجازت نہیں ہے تو تھوڑی دیر رک جائیں۔ ارشاد فرمایا سکینہ کیا چاہتی ہو۔ کہا بابا! آجائیے۔ امام بار بار پوچھتا ہے سکینہ چلی جاؤ۔ بچی سینے سے لپٹ گئی۔ تھوڑی دیر بچی سوئی اس کے بعد کھڑی ہو گئی اور کہا بابا! خدا حافظ فرمایا سکینہؑ! سینے پر سو کر کیوں اٹھ پڑی۔ کہا بابا! میں سوتی تھی خواب میں دادی آئیں تھیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں سکینہؑ! حسینؑ کو نہ روکو جانے دو عصر قریب ہے۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین من یومنا ھذا الی یوم الدین

ذکرِ حسینؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سالِ نو کا آغاز ہمارے قمری سال کی ابتدا او بہار و خزاں کی پابند نہیں یعنی توحید کے پرستار موسم پرست نہیں کہ ان کی عید صرف بہار میں آئے کیونکہ ہر عید میں سامانِ بہار مہیا ہے۔ ہمارے لئے کبھی چلچلاتی دھوپ کے روزے ہیں تو کبھی کڑکڑاتے جاڑے کی سحر۔ تپتے ریگستان کی قیامت خیز لو کبھی حاجیوں کا استقبال کرتی ہے تو کبھی بادِ شمال کے کلیجہ ہلا دینے والے سرد جھونکے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی لذت کو دوبالا کر دیتے ہیں۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہجری سال کا آغاز محرم سے ہوتا ہے تاکہ نئے سال کو مسرت و انبساط کے بے معنی اور فانی لذتوں سے ہٹا کر تجدیدِ عہد و وفا اور جذبات فدویت و ایثار سے شروع کیا جائے۔ یہی عہد کہ اعلائے کلمہ حق کے لئے پیغمبر آخر الزماں کا ہر امتی کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گا۔ اور یہی جذبہ ایثار کہ حفاظت اصولِ اسلام کے لئے اگر ترکِ وطن لازمی ہو تو منظور۔ اسے اگر پناہ گاہ سے ہٹنا پڑے تو قبول ہو۔ اگر منظم طاقتوں کی اکثریت سے اپنی اقلیت کے باوجود ٹکرانا پڑے تو ماسوا اللہ کے بے خوف ہو کر انسان ٹکرا جائے۔

غرض ہر مسلمان اپنے غیر ارادی عالم میں بھی ختمی مرتبتؐ کے چھوٹے نواسے

سے عذر کرے کو سن کر آثار رضا و کرم دیکھ کر غم و محن کی ایک لہر کو محسوس کر کے ایک عزم صمیم کرتا ہے کہ اگر خالق روح وجسد کو یہ پسند ہو کہ امر حق میں روح وجسد کا ہر تعلق منقطع ہوجائے تو ہم اس کے لئے ہر وقت تیار ہو جائیں ۔

مشیت الٰہی یہ ہے کہ راہِ محبت کا ہر مسافر بغیر امتحان کے نہ رہے حسب الناس[۱] ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون کیا انسان یہی گمان کرتے ہیں کہ ان کو صرف اس لئے بغیر امتحان چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو ایمان دار کہتے ہیں نہیں لقد فتنا الذین[۲] من قبلھم ہم نے ان سے پہلوں کو بھی آزمائش میں مبتلا کیا تھا اور ظاہر ہے کہ

ہر کہ در ایں بزم مقرب تر است

جام بلا بیشترش می دہند

مولا ئے کائنات کی صدا آخر یہ انسان کھڑا ہے ۔ صاحب عقل و شعور ہے ۔ حامل ہوش و حواس ہے اور اظہار انا پر مجبور ۔ اگر اس انا کی نمائش میں صرف لذات دنیا کی ہوس اور غیر حق کی پرستاری مضمر ہے تو یہ انا ترقی سے محروم اور جامد ہے اور قانون الٰہی بھی اس کو ایک طویل مہلت دینے کے لئے تیار ہے اور مقصد خلقت کو پہچنوانے اور انسان کو مسلسل ترقی سے آشنا کرتے ہوئے ملکوتی حد و تک پہچانے کی کوشش میں اگر کوئی اپنی انا کو رہبری کے لئے پیش کرے تو مشیت الٰہی ہر گام پر ایک نیا امتحان لیتی ہے اور ہر نفس پر اس کو ایک نئی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے ۔ تا علاج خستگی آسائش دیگر دہد

خار با در رہگذار رہرواں انداختہ

یہی وہ منزل ابتلاء ہے جہاں ابو البشر ثابت قدم رہنے کی دعائیں مانگتے

---

[۱] (سورۂ عنکبوت آیت ۲) [۲] (سورۂ عنکبوت آیت ۳)

ہیں اور جہاں نوحؑ سا نبی اولوالعزم اپنی قوم کے ہاتھوں حیران و پریشان نظر آتا ہے اور ہاں یہی وہ مقام آزمائش ہے جہاں باپ بیٹے کو تہہ تیغ رکھتا ہے اور قد صدقت الرؤیا[۱] انا کذالک نجزی المحسنین کے خطاب سے سرفراز کیا جاتا ہے لیکن امتحان کے مراتب ہیں ۔

طفیلان تا زبین کہ جگر گوشۂ خلیل

آمد بزیر تیغ و شہید ش نمی کنند

اسی راہ میں یعقوبؑ کو یوسفؑ کے فراق میں مبتلا کیا جاتا ہے اور وابیضت عیناہ من الحزن[۲] کے عنوان سے تاریخ محبت لکھی جاتی ہے یہی وہ موقف امتحان ہے جہاں پیغمبری عطا کر کے بندگی کی آزمائش مطلوب ہے

عشق یوسف را دریں کو دا بر لینا اسے عزت

بندگی خواہد پیمبر زادگی منظور نیست

اللہ اللہ یہ انہی بندوں کی آزمائش ہے جن کو قدرت نے منتخب کیا ہے اس دربار محبت میں زکریا پکار رہے ہیں رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین[۳] اور ذوالنون پکار رہے ہیں لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین[۴]

بندگی کی قدروں کو جب تولا جاتا ہے تو طاغوتی دربار میں یحییٰ کا سر پیش کیا جاتا ہے اور عیسیٰ دنیا کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے صلیب تک پہنچ جاتے ہیں جو ہر فرد انسانیت مقصد لولاک مطلوب الٰہی ختمی مرتبتؐ کے لئے ابتلاء و آزمائش کے مراحل تھے لیکن سب سے کہیں زیادہ یہاں تک کہ ما اوذی نبی کما اوذیت (حدیث) کی حقیقت نمایاں ہو گئی ۔ گذر منزل تسلیم و رضا مشکل ہے

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

([۱] سورۂ صفٰت ۱۰۵) ([۲] سورۂ یوسف ۸۴) ([۳] سورۂ انبیاء ۸۹ [۴] سورۂ انبیاء ۸۷)

سنت الٰہی اس طرح سے جاری وساری رہی۔ انبیاء و اولیاء کا امتحان لیا جاتا رہا۔ اور راہ حق سے انحراف اور حکم انبیاء سے عدول کرنے والی قومیں قانونی نزول عذاب الٰہی کی زد میں آئیں اور تباہ ہو کر رہ گئیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اعلائے کلمہ حق کے لئے جن نفوس قدسیہ نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا۔ ان کی دولت و ثروت نے نہیں ان کی حکومت و سلطنت نے نہیں بلکہ ان کے فقر و صبر و اقامت علی الحق نے ان کو ہمارے لئے قابل تقلید بنا دیا۔ نیک و بد، کذب و صدق خلوص و ریا حق و باطل کی پیکار میں جب کبھی بے دریغ قربانی کا وقت آیا ہے تو وہی زندگیاں ہمارے لئے نمونہ قرار پائیں۔ مقصد معین تھا لیکن اشخاص نے اجتماعی کی چونکہ مقصد خود اپنے آپ کو بدون شخص متعارف نہیں کر سکتا اس لئے محیط وحی نے ثقلین کو انسانی ترقی کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔ فطرت انسانی کے غلط پہلو ہوس زدہ انسانوں کو جبلت اکتساب کے غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ وہ ہر قیمت پر انسان سے انسان کی بزرگی چھین لینا چاہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ ظاہر ہو کہ کسی کا جذبۂ روحانیت اہل عالم کے لئے جاذب قلب و نظر بن رہا ہے تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتے اور ان کی ہوسناکیوں کی قربان گاہ ایسے انسانوں کی بھی بھینٹ مانگتی ہے جو دنیا کے طالب نہیں جن کو حکومت و سلطنت سے رابطہ نہیں لیکن جن کی اقامت علی الحق عام انسانوں کی نگاہوں میں ان کو ایک بلند ترین منزل عطا کرتی ہے۔ یہی وہ میدان کارزار ہے جہاں حکومت و سلطنت دوستان خدا سے ٹکراتی ہے۔ اور ان سے مبارزت طلب ہوتی ہے اور جب علمبرداران حق اس کے جواب کے لئے مقابل میں آجاتے ہیں تو پھر حق و باطل کا معرکہ کہیں

تازہ ہو جاتا ہے ازل سے یہی ہوتا آیا ہے۔ اور یہی ہوتا رہے گا۔

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری

انسانی فطرت کی پیچیدگیاں ہر دور میں تاریخ کے صفحات پر ابھر آتی ہیں اور خصوصاً جب جبلت اکتساب ظلم پر اتر آتی ہے تو پھر انسان سفک و دماء اور فساد فی الارض کا عادی ہو جاتا ہے۔ انسانیت کی اصلاح جن بندوں کے ذمہ ہے وہ سنت الٰہی کی پیروی کرتے ہوئے کبھی فتنہ و پیکار کو اپنی مدافعت و مصالحت سے روکتے ہیں۔ اور کبھی خنجر بدست اور سر بکف ہو کر اجتماعی زندگی میں۔ اصلاح کی یہی دو صورتیں ہیں۔ اور بنت رسولؐ فاطمۂ زہراؑ کے دونوں بچوں نے اسی شان سے اپنے فرض اصلاح کو ادا کیا۔ حکیم مشرق نے اس مسئلہ کو یوں نظم فرمایا ہے۔

آں کہ شمع شبستان حرم
حافظ جمعیت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کیں !
پشت پا زد بر سر تاج و نگیں
آں دگر مولائے ابرار جہاں
قوت بازوئے احرار جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسینؑ
اہل حق حریت آموز از حسینؑ

دونوں بھائیوں کے پیش نظر ایک ہی مقصد تھا۔ اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے کسی نے جام زہر نوش فرمالیا اور کسی نے زیر خنجر سجدۂ معبود ادا کیا۔ ۶۰ھ جب رجب کا مہینہ تھا کہ فرزند رسول الثقلین نے اپنے مقصد کا

کا اعلان فرمایا اور ضریحِ رسالتؐ پناہ کو تھام کر اپنے معبود کو یوں مخاطب کرنے کی عزت حاصل کی۔

خداوندا یہ تیرے نبیؐ محمدؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبیؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ خداوندا وہ وقت قریب آگیا جس کا تجھے علم ہے۔ میرے پروردگار مجھے چن لے اس مقصد کے لئے جس میں کہ تیری اور تیرے رسولؐ کی خوشنودی ہو۔

رضائے حق کے جویا نے مدینہ سے نکلتے ہوئے اپنا وصیت نامہ تحریر فرمایا آغازِ وصیت میں خدائے قدوس کے ایک ہونے اور اپنے نانا کے رسولِ برحق ہونے کی گواہی دی اور جنت و نار حشر و نشر کی شہادت دی اور پھر یہ اعلان فرمایا۔

ترجمہ) میں فتنہ و فساد کے لیے گھر نہیں چھوڑ رہا ہوں میں مدینے سے جا رہا ہوں فقط اس لیے کہ امت جد کی اصلاح کروں۔

مدینے سے نکلتے ہوئے شاہ حجاز مدینے کے ہر انسان کو اپنے ساتھ لے کر نکل سکتے اگر ملک گیری کا خیال دامن گیر ہوتا۔

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نہ کردے باچنیں سامان سفر

اپنے گھر والوں کو لے کر نکلے چند کمسن بچے۔ چند بی بیاں چند نوجوان۔ پھر وہ قافلہ جو جہادِ حقیقی کے لئے نکلا۔ رات کی تاریکی میں نہیں دن کے اجالے میں نکلے۔ اعلان کر کے چلے کفر کی دنیا کہتی رہ گئی کہ اگر حسینؑ اب چلے تو ان کے گرد راہ سے بھی مطالبہ بیعت ناممکن ہو جائے گا۔

اور ادھر سید الشہداؑ نے بھی طے فرما لیا تھا کہ کسی صورت مدینہ چھوڑ دیا جائے تاکہ سوال بیعت پر اگر لڑائی چھڑ جائے تو آنے والا مورخ کہیں، یہ

لکھے کہ فرزندِ رسولؐ نے روضۂ رسولؐ کی حرمت کا بھی خیال نہ کیا۔ لاکھوں مسلمان یہ سمجھتے رہے کہ مدینے سے فرزندِ رسولؐ نکلے ہیں شاید کہ مکہ میں قیام ہو۔ حج کے فرائض امام کے ساتھ ادا ہوں گے۔ لیکن پاسِ حرمتِ کعبہ نے اس پناہ گاہ کو چھوڑنے پر بھی مجبور کیا۔ ذی الحجہ کی سات تاریخ کو آخری خطبہ ارشاد فرمایا۔ الٰہی قوتوں اور طاقتوں پر گفتگو فرماتے ہوئے موت کے یقینی ہونے کا ذکر کیا اور پھر صاف طور پر اعلان فرمایا کہ صحرا کے درندے عراق کی سرزمین پر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے ہیں لیکن اس سے مفر نہیں کوئی اور راہ گریز نہیں بس یہ فیصلہ ہے کہ رضائے اللہ رضائے اہلبیت ہم اہلبیت کی وہی مرضی ہے جو خدا کی مرضی ہے۔

یہ ہیں وہ ناموسِ کعبہ جنہوں نے کعبہ کا اس قدر خیال کیا لیکن کیا دنیا نے نہیں دیکھ لیا کہ ۶۳ھ کے آخر تک طاغوتی طاقتوں اور یزیدی لشکروں نے فرزندِ رسولؐ کا خون بہا کر اتنی جرأت و جسارت پیدا کر لی تھی کہ ان کے آگے نہ خوابگاہِ رسالت کی کوئی قدر تھی اور نہ حریم کعبہ کی دونوں مقامات کو روند ڈالا گیا۔ مسجدِ رسولؐ کی بے حرمتی کی گئی اور خانۂ کعبہ کے پردے کو آگ لگا دی گئی۔ فرزندِ رسول نے یہیں پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرا لہو بہا کر تم جری ہو جاؤ گے۔ تم کسی کی حرمت کا خیال نہ کرو گے اور بالآخر حرف بہ حرف وہی ہوا جو فرزندِ رسولؐ نے کہہ دیا تھا۔ ۸ ر ذی الحجہ کو مکہ سے یہ قافلہ چلا۔ ۹ ذی الحجہ کو آل محمدؐ کی طرف سے پہلی قربانی کوفہ کے دارالامارہ میں دی گئی اور ابن زیاد نے حضرت مسلم بن عقیل کو عید کے دن قتل کر دیا۔ وہ مسلم جو اگر کوفہ نہ بھیجے جاتے تو شاید کربلا کی جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا لیکن مرضی معبود یہی تھی غرض کوفہ کی طرف اس قافلہ کا رخ تھا کہ حکومت کی فوجوں نے راستے بند کر دیئے اور دشتِ نینوا میں فراتؑ کے کنارے غاضریہ سے متصل کربلا کی زمین پر یہ قافلہ اترا۔ کاروان سالار نے زمین پسند کی۔ یہیں

کا وعدہ یاد آیا اور ساتھ نانا بھی یاد آ گئے۔ دوسری محرم تھی کہ لشکر جمع ہونے لگے اور ہر بار یہی مطالبہ کہ حسینؑ بیعت کر لیں۔ لیکن جھگڑا تو اسی بیعت پر تھا۔ مدینہ کا ملک یا شام کی زرخیز زمینیں مابہ النزاع نہیں تھیں۔ فرزند رسولؐ نے سنت الٰہی پر عمل کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ سر دینے آئے ہیں بیعت کرنے کے لئے نہیں۔ فرات سے خیمے جبراً ہٹا دیئے گئے۔ ساتویں سے پانی بند ہو گیا گرمی کا مہینہ بچوں کی پیاس اعدا کی کثرت، عزیزوں کی قلت، شہادت کا یقین غرض کوئی امر ایسا نہ تھا جو اس پائے ثبات کو متزلزل کر دیتا

وہ العطش کی صداؤں میں پل رہا تھا سکون   وہ ارجعی کی نداؤں میں اٹھ رہے تھے قدم

محرم کی ۹ تاریخ کو فرزند رسول بالکل گھر گئے تھے۔ ۹ کی شام آئی ایک رات کی مہلت عبادت الٰہی کے لئے مانگی۔ یعنی لشکر مخالف کو ایک رات کی اور مہلت دی کہ وہ سوچے کہ کس کے مقابل میں یہ لشکر آرائی ہو رہی ہے اسی طرح شاید کوئی حرؑ نکل آتے۔ دس کی صبح کو معرکہ کارزار گرم ہوا۔

اس معرکہ کے لئے فرزند رسولؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ مدینہ میں جنگ نہ ہو تاکہ کھلے میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہو جائے۔ خانہ کعبہ میں حج کے موقع پر کوئی لڑائی چھڑتی تو سازش کا پتہ نہ چلتا اور یہی سمجھا جاتا کہ کسی حاجی نے قتل کر دیا فرزند رسولؐ یہ چاہتے تھے کہ ایک ایسے مقام پر یہ لڑائی ہو کہ کسی کو بھی شبہ باقی نہ رہے کہ کون کس طرف سے لڑ رہا ہے اور کھل جائے کہ حسینؑ ابن علیؑ کے ساتھ کون ہیں اور لشکر مخالف میں کون ہیں اور ان کے معاون کون؟

تاریخ ایسی جنگ کو پھر نہ دہرا سکی لشکر مخالف نے عمر سعد نے پہلا تیر چلایا ہزاروں تیر ساتھ چھوڑے ۲۲ ساتھی اسی وقت جاں بحق ہو گئے پھر رفیقوں کی باری آئی۔ ایک ایک نے داد رفاقت دی۔ ضعیفوں نے شباب ایمان کی

بہاریں دکھلائیں۔ جوانوں نے شجاعتوں کے رنگ دکھلائے۔ بچوں نے مسکرا کر جانیں دیں۔ دو ادر بنی ہاشم تڑپ کر مر گئے۔ جعفر طیار کے پوتے حیدر کرار کے نواسے عونؑ و محمدؑ شہید ہوئے۔ حسن سبز قبا کی نشانی قاسمؑ ابن حسن شہید ہوئے حیدر صفدر کے نور نظر مارے گئے۔ عباس ترائی سے پھر نہ اٹھے۔ علی اکبر نے داغ مفارقت دیا۔ پنجتن پاک کی پوری نمائندگی تھی۔ آخر میں سرور سردار قافلہ سالار نائب احمد   میدان میں تشریف لائے۔ آخری جنگ کی۔

اور بار بار فرماتے تھے محمدؐ کا نواسہ ہوں فاطمہؑ کا بیٹا ہوں، علیؑ کا نور نظر ہوں مجھے نہ مارو تم کو چین نہ ملے گا۔ میری رگوں میں فاطمہؑ کا دودھ ہے محمدؐ کا لہو ہے بیعت مجھ سے ناممکن ہے۔ میرا بیعت کرنا یزید فاسق کے ہر امر کو تسلیم کرنا ہے مجھے اسلام کو بچانا ہے لو یہ میرا سر حاضر ہے۔

محرم کی دسویں، عصر کا وقت تھا کہ سر تا پا قدم زخمی ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ عصر کی نماز ادا کی۔ بیعت کے لئے ہاتھ نہ اٹھے سجدہ معبود میں سر کاٹ کر زمین سے اٹھا لیا گیا۔

بنگر یہ از عشق کہ دلبند بوتراب
برخاک سجدہ ریز و شہیدش ہمی کنند

یہ ہے وہ عظیم المرتبت قربانی جس کا ذکر ہر سال دہرایا جاتا ہے اس لئے کہ دنیا یزیدیت سے نہ گھبرائے۔ اس لئے کہ اقلیت اکثریت سے پریشان نہ ہو کیونکہ زحمتوں اور مصیبتوں پر صبر و شکر سے قابو پایا جائے۔ اس یاد کو تازہ کیا جاتا ہے کہ اب بھی یزیدی طاقتیں موجود ہیں۔

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

ذکر حسینؑ کو باقی رکھو کہ ہم کو باطل کی طاقتوں سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ مقصد
یہی ہے کہ ہم بہر صورت فکر صحیح کی اشاعت کریں۔ اتحاد ملت کے لیے کوشاں ہوں
اور ہر آن استحکام ملت کے لیے ساعی رہیں۔

زندہ باد حسینیت

پائندہ باد پاکستان